علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ
جمادی الثانیہ
جنوری 2023
ماہ نامہ
ذوق شوق
کراچی
عنوان بتایئے
انعام پایئے

SHOP OPENS AT 11:30

Shop No. GF-14-15, Lavish Mall, Tariq Road, Karachi.
Tel: 021-3457778, 021-34327331

پیغامِ الٰہی جَلَّ جَلَالُہٗ

عبداللہ بن مسعود

(مفہوم آیت سورۂ ابراہیم: 7)

یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ تمھارے رب نے یہ اعلان عام فرمادیا ہے کہ اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمھیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقین جانو، میرا عذاب بہت سخت ہے۔

عزیز ساتھیو! اللہ تعالیٰ کے ہم پر بہت احسانات ہیں، ہر دم اُس کی نعمتیں ہم پر بارش کی طرح مسلسل برس رہی ہیں۔ صحت مند زندگی، معذوری سے حفاظت، روزانہ لذیذ لذیذ کھانے پینے کی اشیا، پُرسکون نیند، آرام دہ بستر، امی ابو کا سایہ، بھائی بہنوں کی محبتیں اور بہت کچھ! اور ہم سب یہ چاہتے ہیں کہ یہ ڈھیر ساری نعمتیں ہمارے پاس باقی رہیں اور ہم ان سے محروم نہ ہوں۔ مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ ہماری اِسی خواہش کو پورا کرنے کا ایک نسخہ بیان فرما رہے ہیں، وہ نسخہ ہے: شکر۔

جب انسان اپنی موجودہ نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نعمتوں کی حفاظت بھی فرماتے ہیں اور نعمتوں میں اضافہ بھی فرماتے ہیں، لیکن جب کوئی ناشکری کرتا ہے تو اُس کی نعمت چھین لی جاتی ہے اور وہ افسوس کرتا رہ جاتا ہے، اس کی علاوہ ناشکری کی سزا الگ ملتی ہے۔

عزیز ساتھیو! لہٰذا ہم نیت کریں کہ ہر دم ہماری زبان اللہ تعالیٰ کا شکر کرتی رہے گی، کسی بھی نعمت کی ناقدری کرتے ہوئے اس نعمت کو کسی غلط کام میں استعمال نہیں کریں گے۔

اس طرح ہماری نعمتیں سلامت بھی رہیں گی اور اُن میں اضافہ بھی ہوگا، ان شاء اللہ!

پیغامِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

راشد علی نواب شاہی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے لشکر جب بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر پڑھتے اور جب نیچے اترتے تو سبحان اللہ پڑھتے۔

(ابوداود، ۲۵۹۹، عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ)

عزیز ساتھیو! ہم بچے اور بچیاں اگر توجہ اور دھیان رکھیں تو اپنا بہت سارا وقت قیمتی بنا سکتے ہیں۔ چلتے پھرتے ہم کوئی کام نہیں کر سکتے۔ نہ لکھ سکتے ہیں، نہ پڑھ سکتے ہیں، لیکن ایک کام انتہائی سہولت سے کر سکتے ہیں۔ بس صرف توجہ اور دھیان کی ضرورت ہے۔

جیسے چلتے پھرتے اسکول، مدرسے کی راہ داریوں میں، نماز کے لیے آتے جاتے، بازار میں خریداری کے لیے جاتے ہوئے جو بھی مسلمان ہمیں ملے، چاہے ہمارا تعارف ہو یا نہ ہو، ہم اسے سلام کریں، اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے وقت کو قیمتی بنا سکتے ہیں۔

جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث شریف آپ نے پڑھا کہ جب ہم بلندی کی طرف جائیں:

کسی سواری پر، لفٹ کے ذریعے، سیڑھیاں چڑھیں، پہاڑ پر چڑھیں یا کسی اور اونچائی کی طرف جائیں تو اللہ اکبر کہیں۔

اس کے برعکس جب نیچے کی طرف جائیں:

کسی سواری میں، لفٹ کے ذریعے، سیڑھیوں سے اتریں، پہاڑ سے اتریں، یا کسی اور نیچائی کی طرف آئیں تو ہم سبحان اللہ پڑھیں۔

یہ دونوں ''ذکر''، ہم اسکول، مدرسے، گھر کی سیڑھیوں پر اچھے انداز سے کاغذ پر لکھ کر لگالیں، تاکہ ہمیں یاد بھی رہے۔

چلیے، آج سے اس پر عمل شروع کرتے ہیں۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

جمادی الثانیہ ۱۴۴۴ ہجری | جلد: 18

شمارہ: 01

ناشر — محمد عارف رشید

مجلس ادارت

- مدیر اعزازی — عبدالعزیز
- معاون — محمد طلحہ شاہین
- معاون — زبیر عبدالرشید

ڈیزائنر — سید ناصر

کمپوزر — سعد علی

نگران ترسیل — منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت سال نامہ 120 روپے

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک 1500/=

بذریعہ عام ڈاک 1250/=

ماہ نامہ ذوق وشوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔

خط وکتابت کا پتہ:

ماہ نامہ ذوق وشوق، پی۔او۔بکس نمبر 17984 پوسٹ کوڈ 75300، گلشن اقبال، کراچی

Email: zouqshouq@hotmail.com

zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

: 0324-2028753, 0320-1292426

دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00

دوپہر 2:30 تا 6:00

Jazz Cash : 0320-1292426

(نوٹ: جازکیش اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0320-1292426) پر واٹس ایپ کر دیں۔)

پبلشر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیمی وتربیتی ترقی واصلاح کی خاطر ابن حسن پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

سالانہ خریداری بذریعہ میزان بینک اکاؤنٹ:

اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm trust zouq o shouq

اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456، سولجر بازار برانچ، کراچی

(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0324-2028753) پر واٹس ایپ کر دیں۔)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!
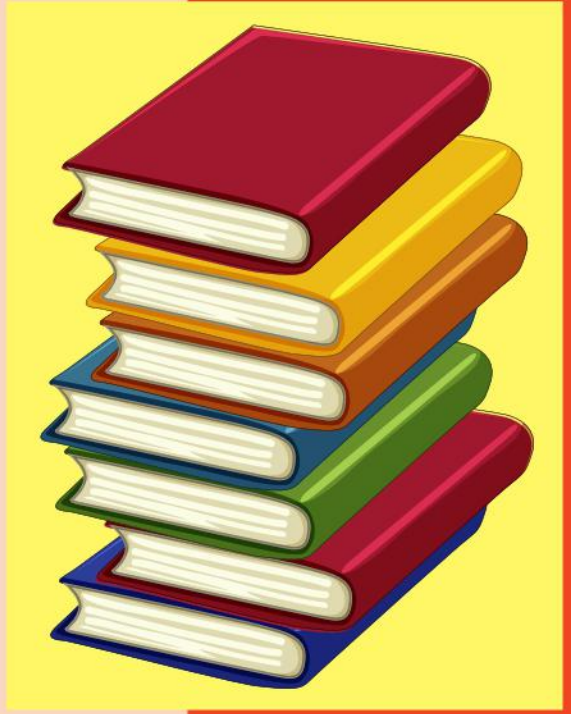
امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔

پانچ دن تو جیسے پَر لگا کر اُڑ گئے، سال بھر اِنتظار اور پھر اتنے کم دن! ایک دو ہفتے تو ہونے چاہییں، تاکہ اچھی طرح شوق پورا کیا جاسکے۔

جی ہاں دوستو! یہ کتاب کا شوق پانچ دن کا نہیں پوری زندگی کا ہے۔ کتب میلے کے پانچ دن میں تو داڑھ بھی گیلی نہیں ہو پاتی۔

ہمارا کتب میلے میں چار دِن جانا ہوا، کوئی اسٹال بھی کسی دن خالی نظر نہ آیا۔ ہر طرف سر ہی سر تھے، کوئی کتاب لے رہا تھا تو کوئی اُس پر جھکا مطالعے میں مگن تھا۔ ہاتھوں ہاتھ کتابیں فروخت ہو رہی تھیں، لوگ کتابوں سے لدے باہر آرہے تھے۔

ہم نے بھی دل کھول کر خریداری کی۔ یقیناً آپ نے بھی اچھی اچھی کتابیں خریدی ہوں گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتابوں کا شوق اور پڑھنے کی لگن، ایک بہترین عادت ہے۔ ایسا انسان ان شاء اللہ! آگے سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

عزیزو! اس شوق اور لگن کو اَب کم نہیں ہونے دینا۔ چھٹیوں میں مختلف لائبریوں میں جانا ہے، ہر ماہ کوئی نا کوئی اچھی کتاب خریدنی ہے، اپنے گھر میں ایک خوب صورت سی الماری کتابوں کے لیے بنا کر اُس میں اپنی کتابیں سلیقے سے سجانی ہیں اور روزانہ ایک وقت مقرر کر کے کتاب کا پابندی سے مطالعہ کرنا ہے۔

اور ہاں، یہ یاد رکھیے گا کہ کوئی کتاب پڑھنے اور خریدنے سے پہلے اپنے بڑوں سے اس کتاب کے بارے میں پوچھ ضرور لیجیے گا کہ کیا یہ کتاب میرے لیے مناسب ہے؟

کیا خیال ہے؟ آپ تیار ہیں نا!؟ ہمیں بھی بتائیے گا کہ آج کل آپ کون سی کتاب پڑھ رہے ہیں۔

والسلام

سیرت کہانی ۴۳

عبدالعزیز

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا سلسلہ۔

جنگ بدر میں پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار، پھر تین ہزار اور آخر میں پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے اتارے۔

شیطان، کفار اور مشرکین کے ساتھ سراقہ بن مالک کی شکل میں اور اُس کا لشکر بنی مدلج کے مَردوں کی شکل میں میدان میں موجود تھے، اسی وجہ سے فرشتے بھی مَردوں ہی کی شکل میں نمودار ہوئے۔

(خصائص الکبریٰ، ج:۱، ص:۲۰۴۔ روض الانف، ج:۲، ص:۸۸)

حضرت ابواُسید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''بدر کے دن فرشتے زرد رنگ کے عمامے پہنے ہوئے تھے اور عماموں کے شملے دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکے ہوئے تھے۔''

فرشتوں کو آدمیوں کی طرح قتل و قتال کا طریقہ معلوم نہیں تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں قتل کا طریقہ بتلاتے ہوئے سورۂ انفال، آیت: ۱۲ میں ارشاد فرمایا، جس کا مفہوم یہ ہے:

''اے فرشتو! بس مارو کافروں کی گردنوں پر اور کاٹ دو اُن کے ہر پورے کو۔''

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''بدر کے دن فرشتوں کے قتل کیے ہوئے کافر اور اِنسانوں کے قتل کیے ہوئے کافر الگ الگ پہچانے جاتے تھے۔ فرشتوں کے قتل کیے ہوئے کافروں کی گردنوں اور پوروں پر آگ کے سیاہ نشان تھے۔''

(فتح الباری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''ایک مسلمان مرد ایک مشرک کے پیچھے دوڑا، اچانک اسے اوپر سے گھوڑے اور سوار کی آواز سنائی دی:

''اے حیزوم! آگے بڑھ۔''

اس کے بعد جو اُس مشرک پر نظر پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ مشرک زمین پر چت پڑا ہوا ہے اور اُس کی ناک اور چہرہ کوڑے کی مار سے پھٹ کر نیلا ہو گیا ہے۔

انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آکر یہ پورا واقعہ رسول اللہ ﷺ کو بتلایا۔ آپ علیہ السلام نے سن کر فرمایا:

''تم نے سچ کہا، یہ تیسرے آسمان کی مدد تھی۔''

(فتح الباری، ج:۷، ص:۲۴۲)

سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''بدر کے دن ہم نے یہ دیکھا کہ جب ہم میں سے کوئی شخص کسی کافر کی طرف اشارہ کرتا تو اُس سے پہلے کہ تلوار اُس تک پہنچے، اس کا سَر کٹ کر زمین پر گر جاتا۔''

(زرقانی، ج:۲، ص:۲۴۷)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''فرشتوں نے جنگ بدر کے علاوہ کسی اور موقع پر کافروں کے ساتھ قتال نہیں کیا۔''

البتہ دیگر اَحادیث سے جنگ احد میں فرشتوں کا جو قتال کرنا ثابت ہے وہ مسلمانوں کی حفاظت کے لیے نہ تھا، بل کہ صرف حضور ﷺ کی حفاظت کے لیے تھا۔

(زرقانی، ج:۱، ص:۴۴۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھپّر سے باہر آکر مسلمانوں کو جہاد اور قتال کی ترغیب اس طرح دی تھی، فرمایا:

''قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! جو شخص صبر و تحمل، اخلاص اور سچی نیت سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے سینہ سپر ہو کر لڑے گا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے۔''

حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس وقت کچھ کھجوریں تھیں، جو وہ کھا رہے تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ کلمات ان کے کانوں میں پہنچے تو سنتے ہی بول اٹھے:

''واہ واہ! میرے اور جنت کے درمیان بس اتنا سا فاصلہ رہ گیا ہے کہ لوگ مجھ سے لڑ کر مجھے شہید کر دیں۔''

یہ کہہ کر کھجوریں پھینک دیں اور تلوار لے کر لڑنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام، ج:۲، ص:۱۸)

ایک اور صحابی حضرت عوف بن حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کو بندے کی کیا چیز خوش کرتی ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بندے کا کسی حفاظتی لباس کے بغیر اللہ کے دشمن کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگ دینا۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی زرہ اتار کر پھینک دی اور تلوار لے کر لڑنا شروع کیا، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (روض الانف، ج:۲، ص:۶۹)

......☆......

عتبہ، شیبہ اور ولید کے قتل ہو جانے کے بعد ابوجہل نے لوگوں کو یہ کہہ کر ہمت دلائی اور جنگ کے لیے تیار کیا:

''اے لوگو! عتبہ، شیبہ اور ولید کے قتل ہونے سے گھبراؤ مت، ان لوگوں نے جلدی کی۔ لات اور عزیٰ کی قسم! ہم اس وقت تک گھر واپس نہ جائیں گے جب تک ہم ان مسلمانوں کو رسیوں سے باندھ نہ لیں گے۔''

اس کے بعد ابوجہل نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

''اے اللہ! ہم میں سے جو رشتے داریوں کو ختم کرنے والا ہو اور جو غلط کام کرنے والا ہو اُسے ہلاک فرما، اور ہم میں سے جو تیرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو، آج اسے فتح نصیب فرما۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال کی آیت: ۱۹ نازل فرمائی، جس کا مفہوم یہ ہے:

''اگر تم فتح (یعنی فیصلہ) چاہتے تھے تو دیکھ لو، تمھارے سامنے (فیصلہ، یعنی) فتح آ گئی۔ اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے، لیکن اگر تم (یہ حرکت) دوبارہ کرو گے تو ہم بھی (تمھیں) دوبارہ سزا دیں گے اور تمھاری جماعت اگرچہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو، ذرہ برابر تمھارے کام نہ آ سکے گی۔ (اور یاد رکھو کہ) یقیناً اللہ تعالیٰ، ایمان والوں کے ساتھ ہے۔'' (البدایہ والنہایہ، ج:۳، ۲۸۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا:

''اے اللہ! اگر (خدانخواستہ) یہ (صحابہ کی) جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر زمین پر کبھی تیری پرستش نہ ہو گی۔''

اس کے بعد زوروں کی لڑائی شروع ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھپّر سے باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لڑائی کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اللہ کے راستے میں شہید ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے

جنت میں داخل فرمائیں گے۔" (زرقانی، ج:۱،ص:۴۲۷)

جب جنگ میں تیزی آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کے اشارے سے "شاھت الوجوہ" پڑھ کر ایک مٹھی کنکریلی مٹی مشرکین کی طرف اچھالی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ کافروں پر حملہ کریں۔ اللہ کی شان کہ مشرکین میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچا کہ جس کی آنکھ، ناک اور منہ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو۔ اس ایک مٹھی مٹی کے پھینکتے ہی دشمن بھاگ اٹھے۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال کی آیت: ۱۷ نازل فرمائی، جس کا مفہوم یہ ہے:

"جب آپ نے (وہ مٹھی بھر مٹی) پھینکی تو درحقیقت وہ آپ نے نہیں پھینکی، بل کہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔"

مطلب یہ کہ اگرچہ آپ نے مٹھی بھر خاک پھینکی، لیکن ایک ہزار کے لشکر کے ہر فرد کی آنکھ اور ناک میں اس ایک مٹھی خاک کے ذروں کو پہنچانا آپ کا کام نہ تھا، بل کہ یہ اس اللہ کا کام اور اُس کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ ایک لمحہ نہ گزرا تھا کہ اللہ کے دشمن آنکھیں ملنے لگے، کفار کا پورا لشکر پریشان ہو گیا اور بڑے بڑے بہادر قتل اور قید ہونے لگے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے قتل کرنے اور گرفتار کرنے میں مشغول ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھپر میں تشریف فرما تھے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دروازے پر تلوار لے کر حفاظت کر رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں ہیں اور اِتنے نمایاں ہیں کہ محسوس بھی ہو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے سعد! غالباً تمھیں قریش کا گرفتار کرنا ناگوار ہو رہا ہے؟"

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"جی ہاں، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! یہ مشرکین کے ساتھ پہلا مقابلہ ہے جس کا موقع اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے، اس لیے مجھے مشرکوں کو زندہ باقی چھوڑنے کے بجائے انھیں قتل کرنا زیادہ پسند ہے۔"

(سیرۃ ابن ہشام، ج:۲،ص:۱۸)

......(جاری ہے)......

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی مبارک سیرت کے مستند واقعات پر مشتمل ایک آسان کتاب
ماہ نامہ ذوق وشوق کراچی کا مقبول ترین سلسلہ سیرت کہانی اب کتابی صورت میں

مدارس، مکاتب اور اسکول کے بچوں کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہ کرنے کے لیے بطور نصاب وریڈر ایک بہترین کتاب

ہدیہ مع ڈاک خرچ -/950 روپے

ماہ نامہ ذوق وشوق کے قارئین کے لیے خصوصی رعایتی پیکیج صرف -/650 روپے میں

سیرت کہانی خصوصی پیکیج فی کتاب صرف -/350

عزیزوں، دوستوں کو ہدیہ دینے، فی سبیل اللہ تقسیم کرنے کے خواہش منداحباب اور سکول و مدارس کے لیے خصوصی رعایت۔ اس پیکیج کے لیے کم ازکم 10 کتب منگوانا ضروری ہیں۔

0335-1620824

بلاعنوان ۱۸۵

لیاقت علی۔ تلمبہ

سعدیہ آج صبح سے ہی بہت بے چین تھی۔ کبھی اپنی جگہ پر بیٹھتی اور کبھی دروازے پر جا کر باہر دیکھنے لگتی۔ نادیہ اس کی بے چینی کو بھانپ چکی تھی۔ دونوں گہری سہیلیاں تھیں۔ جیسے ہی سعدیہ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھی نادیہ اس کے پاس جانے کے لیے اٹھی۔ وہ اس کی بے چینی کی وجہ جاننا چاہتی تھی۔ اسی وقت مس حمنہ کمرۂ جماعت میں داخل ہوئیں۔ مس حمنہ ان کی کلاس انچارج تھیں۔ وہ انھیں اردو پڑھاتی تھیں۔ پہلا دورانیہ انھی کا ہوتا تھا۔ سعدیہ اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ مس حمنہ حاضری لینے لگیں۔ حاضری لینے کے بعد وہ بچیوں سے مخاطب ہوئیں:

''جی بیٹا! اپنی اردو کی کتابیں کھولیں، تاکہ ہم اپنا سبق شروع کریں۔''

تمام طالبات کتابیں نکالنے لگیں۔ نادیہ نے بھی کتاب نکالی اور سبق پڑھنے میں مشغول ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سعدیہ کو بھول چکی تھی۔

بارہ بجے وقفے کی گھنٹی بجی۔ سب لڑکیوں نے اپنے بستے بند کیے اور کمرۂ جماعت سے باہر چلی گئیں۔ نادیہ بھی بستہ بند کر کے اٹھی اور باہر جانے لگی۔ اچانک اس کی نظر سعدیہ پر پڑی، وہ گہری سوچ میں غرق اپنی جگہ پر بیٹھی تھی۔ نادیہ باہر جاتے جاتے رک گئی۔ وہ سعدیہ کے پاس آئی اور بولی:

''سعدیہ! آج باہر نہیں چلنا کیا؟''

''ہاں، اوہ ہاں...... ہاں چلو۔'' سعدیہ غائب دماغی سے بولی اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''سعدیہ! کیا بات ہے؟ میں آج صبح سے دیکھ رہی ہوں کہ تم کچھ بے چین سی ہو؟ خیریت تو ہے؟'' نادیہ نے کہا۔

''ہاں، سب خیریت ہے۔'' سعدیہ نے جواب دیا۔

''ارے بھئی، جھوٹ تو مت بولو۔ تمھارے چہرے سے بے چینی صاف جھلک رہی ہے۔ سچ سچ بتاؤ، کیا بات ہے؟''

''بات دراصل یہ ہے کہ آج رات دادی اماں نے مجھے کہانی سنانے اور ایک ''سرپرائز'' دینے کا وعدہ کیا ہے۔ میں رات ہونے کا انتظار کر رہی ہوں۔ وقت ہے کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔'' سعدیہ نے بے چینی کی وجہ بتائی۔

''اچھا! تو یہ بات ہے۔ چلو باہر چل کر کھیلتے ہیں، وقت جلدی گزر جائے گا۔'' نادیہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دونوں کمرۂ جماعت سے باہر نکل گئیں۔

......☆......

وہ کوئی پانچویں مرتبہ دادی کے کمرے میں جھانک چکی تھی۔ دادی اماں تخت پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ وہ ان کی مسہری پر بیٹھ گئی اور اُن کی تسبیح ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ جیسے ہی دادی اماں کی تسبیح ختم ہوئی وہ تخت سے اٹھیں اور اپنی مسہری کی طرف جانے لگیں۔

''ارے سعدیہ! تم؟ تم سوئی نہیں کیا؟'' جیسے ہی ان کی نظر مسہری پر بیٹھی سعدیہ پر پڑی تو اُنھوں نے کہا۔

''اوہ! تو کیا آپ بھول گئیں؟'' سعدیہ نے حیرانی سے کہا۔

''کیا مطلب میری بچی! میں کیا بھول گئی؟'' دادی نے اسے پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

''دادی! آپ نے مجھے آج ایک خاص کہانی سنانے اور سرپرائز دینے کا کہا تھا۔'' سعدیہ نے دادی کو یاد دِلایا۔

''ارے! میں بھی کتنی بھلکڑ ہوں۔ چلو، تم عدیل اور عمر کو بھی بلا لاؤ، پھر میں تمھیں کہانی بھی سناتی ہوں اور سرپرائز بھی دیتی ہوں۔'' دادی نے

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ''بلاعنوان'' کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔

عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ **31 جنوری 2023** ہے۔

نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہ ہوگا۔

کہا تو وہ جلدی سے دونوں بھائیوں کو بلانے کے لیے بھاگ گئی۔ تھوڑی دیر میں وہ سب لحاف میں دبکے دادی سے کہانی سن رہے تھے۔

......☆......

سعد ایک بہت ہی پیارا بچہ تھا۔ وہ صبح سویرے اٹھتا، وضو کرتا اور نماز کے لیے مسجد چلا جاتا۔ واپس آ کر ناشتا کرتا اور بستہ لے کر اِسکول چلا جاتا۔ اسکول سے آ کر کھانا کھاتا، تھوڑی دیر آرام کرتا اور پھر اسکول کا کام کرنے بیٹھ جاتا۔ ایک دن معمول کے مطابق وہ بیٹھا ہوم ورک کر رہا تھا کہ اچانک اس کا قلم رک گیا۔ اس نے دیکھا تو سیاہی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے بستے سے دوات نکالی تو وہ بھی بالکل خالی تھی۔

''اسے بھی ابھی ختم ہونا تھا۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھا اور محلے کی دکان سے دوات لینے چلا گیا۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ دکان پر داؤد چچا بیٹھے تھے۔

''السلام علیکم چاچا!'' سعد نے داؤد چچا کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹا!'' داؤد چچا نے سلام کا جواب دیا۔

''ایک نیلی سیاہی کی دوات دے دیں۔'' سعد نے کہا۔

داؤد چچا کرسی سے اٹھے، دوات اٹھائی اور کپڑے سے گرد صاف کر کے اسے تھما دی۔

''کتنے پیسے ہوئے؟'' سعد نے پچاس روپے کا نوٹ داؤد چچا کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

''بیس روپے۔'' داؤد چچا نے جواب دیا اور گلے میں سے کھلے پیسے نکالنے لگے۔

''بیس روپے!'' سعد نے حیرانی سے کہا۔ ''داؤد چچا! آپ شاید بھول رہے ہیں، یہ تیس روپے کی ہے۔''

''ارے نہیں، بیس کی ہے، یہ لو باقی پیسے۔'' داؤد چچا نے اسے باقی پیسے دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں چچا! یہ تیس روپے کی ہے۔ یہ لیں دس روپے۔'' سعد نے دس روپے واپس کرتے ہوئے ہوئے کہا، لیکن داود چچا نے پیسے نہیں لیے۔ وہ اپنی بات پر اڑے رہے کہ دوات بیس روپے کی ہے۔ اتنے میں دو گاہک اور آ گئے۔ انھوں نے سعد اور داود چچا کو بحث کرتے ہوئے سنا تو ایک نے پوچھا:

''کیا بات ہے داود چچا! کیا بحث ہو رہی ہے؟''

''بھئی کیا بتاؤں، آج کل کے بچے بھی نا بس اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہیں۔ میں کہے جا رہا ہوں کہ دوات بیس روپے کی ہے اور یہ ہے کہ ضد کر رہا ہے کہ نہیں، یہ تیس روپے کی ہے۔'' داود چچا نے بتایا۔

گاہک نے سعد سے دوات

لے کر دیکھی۔ وہ تیس روپے کی ہی تھی۔

''چچا! یہ بچہ ٹھیک کہہ رہا ہے، دوات تیس روپے ہی کی ہے، آپ شاید بھول رہے ہیں۔'' ایک گاہک نے کہا۔

''اچھا! بس بیٹا! کیا بتاؤں، میری نظر بھی تو کمزور ہو چکی ہے۔ عینک میں گھر ہی بھول آیا ہوں۔'' چچا نے کہتے ہوئے سعد سے دس روپے لے لیے۔

''کتنا ایمان دار بچہ ہے۔ کوئی اور ہوتا تو کب کا چلا گیا ہوتا۔'' چچا نے سعد کو جاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

اور پھر ایمان داری اور سب کی دعاؤں کے سبب اللہ تعالیٰ نے اسے وہ کچھ عطا کیا جو کسی کسی کو ہی ملتا ہے۔'' دادی اماں نے کہانی کے اختتام پر کہا۔

''کیا مطلب! کیا آپ اسے جانتی ہیں؟'' سعدیہ نے حیرانی سے پوچھا۔

''ہاں بھئی، میں جانتی ہوں، اور میں ہی کیا، تم سب بھی جانتے ہو اُسے۔'' دادی نے دھما کا کیا۔

''ارے، کون ہے وہ؟'' سب نے بیک آواز کہا۔

''ارے بھئی، یہی تو وہ سرپرائز ہے جو آج میں تم سب کو دینے والی ہوں!''

کون ہے وہ؟ دادی! جلدی بتائیں نا!'' سب نے چلا کر کہا۔

''بھئی، میرا بیٹا اور تمھارے والد، سعد علی۔''

''کیا!'' سب چلائے۔

''کیا ہے بھئی؟ کیوں شور مچا رکھا ہے؟'' اسی وقت امی کمرے میں داخل ہوئیں۔

''چلو اٹھو، جاؤ اور جا کر سو جاؤ۔ صبح اسکول بھی جانا ہے۔'' امی جان نے کہا۔ وہ سب فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور دادی کو پُرسوچ نظروں سے دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ دادی کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ وہ اپنے مقصد میں کام یاب ہو چکی تھیں۔
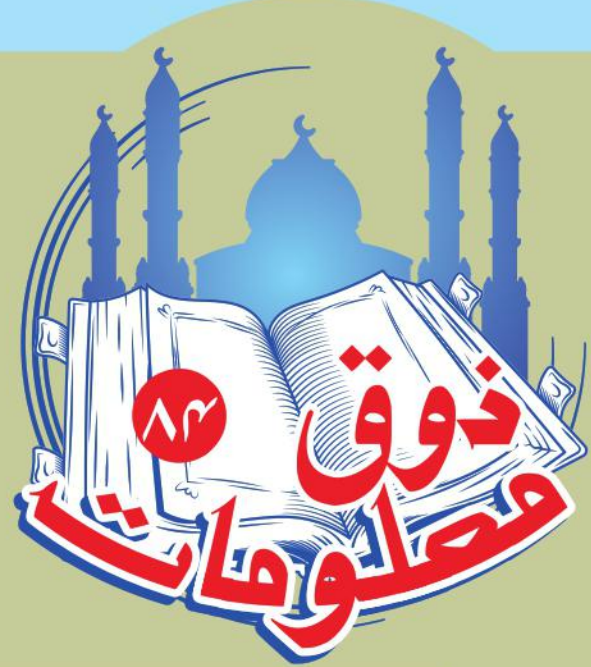
ابو غازی محمد۔ کراچی

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔

اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۳۱ جنوری تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

۱ یہ جڑ کی شکل کی سبزی ہے۔ اس کا ذائقہ کھارا اور تیز ہوتا ہے۔

۲ اسے کچی حالت میں بھی کھایا جاتا ہے۔

۳ اس کا مزاج گرم تر ہے، لیکن لوگ اسے سرد تر سمجھتے ہیں۔

۴ یہ سبزی خوراک کو ہضم کرنے میں مدد دیتی ہے، مگر خود دیر ہضم ہے۔

۵ یہ گُردوں اور مثانے کے فضلات کو صاف کرتی ہے۔ اگر اِن حصوں میں پتھری موجود ہو تو وہ بھی نکل جاتی ہے۔ یہ سبزی یرقان کے مرض میں بھی فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ اس سبزی کے استعمال سے چہرے کی رنگت بھی نکھر جاتی ہے۔

دمشق کا یہ بزرگ سردار اپنے قد کاٹھ اور اَخلاق و کردار کے اعتبار سے عدیم المثال سردار تھا۔ محض شکل وصورت کے اعتبار سے بزرگ نہ تھا، بل کہ قلب ونظر کے اعتبار سے بھی فرشتہ صفت انسان تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اسے جہاں دنیاوی دولت سے نوازا تھا وہاں داد و دہش کا حصہ بھی وافر مقدار میں عطا فرمایا تھا۔ اس کے اسی وصف جمیل نے اسے اہلِ دمشق کی آنکھوں کا تارا بنا دیا تھا۔ چناں چہ وہ اس پر دِل وجان سے فدا ہوتے تھے۔ جب کبھی وہ سفر کے لیے روانہ ہوتا تو بیسیوں انسان اسے وداع کرنے جاتے اور جب وہ واپس لوٹتا تو انسانوں کا جمِ غفیر دیوانہ وار اُس کے استقبال کے لیے نکلتا۔

اس کا ڈیرہ ہر وقت ملاقاتیوں سے بھرا رہتا اور خداموں اور غلاموں کو اُن کی ضیافت سے فرصت ہی نہ ملتی تھی، لیکن اس کی یہ قدر و منزلت اس کے حاسدین کو ایک آنکھ نہ بھائی اور اُنھوں نے امیر المومنین ہارون الرشید کے دربار میں یہ بات پہنچا دِی کہ دمشق میں بنو اُمیہ کا ایک بزرگ سردار موجود ہے، جو ہزاروں ایکڑ زرعی جاگیر اور سینکڑوں ایکڑ باغات کا مالک ہے۔

اس کے ڈیرے میں صبح وشام خاصی رونق اور چہل پہل ہوتی ہے اور وہ نہایت کھلے دل اور کشادہ ہاتھ کا مالک ہے۔ اس کے بیٹے اور پوتے، خدام اور غلام، گھوڑوں اور خچروں پر سوار ہو کر جہادِ روم میں شرکت کرتے ہیں، اور بنو اُمیہ کے کسی فرد کا اس قدر مال دار اور بااثر ہونا خطرے سے خالی نہیں، ممکن ہے کہ وہ کسی وقت علَم بغاوت بلند کر دے اور ملک شام کو تمھارے ہاتھوں سے چھین لے، کیوں کہ وہ ان شاہینوں کا چشم و چراغ ہے جو مشرق میں ایک صدی حکومت کرنے کے بعد ہسپانیہ میں جاہ و جلال سے حکومت کر رہے ہیں، لہٰذا اُس کی خبر لینی چاہیے۔

جوں ہی ہارون الرشید نے یہ بات سنی تو اُس کی نیند حرام ہو گئی اور

ایمانی قوت

دانیال حسن چغتائی۔ کہروڑپکا

اُس نے فوراً اپنے کوتوال ''منازہ'' کو بلایا اور اُسے حکم دیا کہ ابھی دمشق کی طرف نکلو اور اُس آدمی کو بیڑیاں پہنا کر میرے پاس لاؤ۔ اسے اونٹ کے ہودج میں ایک طرف بٹھانا اور خود دُوسری طرف بیٹھنا، اس کے گھر کا جائزہ لینا اور جو کچھ وہ کہے اسے حرف بحرف یاد رکھنا اور یہاں آکر مجھے بتانا۔

کوتوال نے اموی بزرگ کی گرفتاری کا شاہی حکم نامہ لیا اور اپنے سپاہیوں کا خصوصی دستہ لے کر اپنی مہم کی طرف نکل پڑا۔ وہ عراق کے وسیع و عریض صحراؤں کو طے کرتا ہوا شام کے سرسبز و شاداب علاقوں میں داخل ہوگیا۔ اس راستے میں اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے بے شمار عجائبات نظر آئے، لیکن اس نے انھیں نظر بھر کر نہ دیکھا، کیوں کہ اس کی نظر اپنی مہم کی تکمیل پر تھی۔ وہ اس فکر میں ڈوبا ہوا تھا کہ پتا نہیں اتنے بڑے سردار کی گرفتاری کس طرح عمل میں آئے گی۔ مبادا اِس عمل میں ہول ناک تصادم نہ ہو جائے، کیوں کہ رعایا کے کسی بے گناہ شخص کو رُسوا کن طریقے سے گرفتار کرنے سے انسانی جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور لوگ مرنے مارنے پر تُل جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے معاملہ کچھ سے کچھ بن جاتا ہے، لیکن جو کچھ ہو سو ہو، گرفتار تو بہر حال کرنا ہی ہے، کیوں کہ اسے گرفتار کرنا امیر المومنین کا تاکیدی حکم ہے۔ وہ یہ سوچتا ہوا دمشق میں داخل ہو کر اور پوچھتا ہوا اُموی سردار کے ڈیرے پر جا پہنچا اور بغیر پوچھے ہی اس کے ڈیرے میں داخل ہو گیا۔

جب وہاں کے لوگوں نے اسے دیکھا تو اُس کے ساتھیوں سے اس کے متعلق پوچھا کہ یہ کون ہے؟

انھوں نے بتایا کہ یہ خلیفہ بغداد ہارون الرشید کی فوج کا سپہ سالار ہے۔ یہ سن کر وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ گئے۔ وہ صحن کے درمیان پہنچا تو اُسے وہاں لوگوں کا ایک جمِ غفیر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ جب انھیں اس کا تعارف کروایا گیا تو وہ اٹھے، اس کا خیر مقدم کیا، اسے عزت و احترام سے بٹھایا اور اُس سے آمد کا مقصد دریافت کیا۔ اس نے اپنا مقصد بتانے کے بجائے اموی سردار کے متعلق پوچھا؟

انھوں نے بتایا کہ ہم ان کی اولاد ہیں اور وہ حمام میں غسل کر رہے ہیں۔ اس نے کہا:

''انھیں کہو کہ جلدی کریں۔''

چناں چہ ان میں سے ایک آدمی گیا اور اُس سردار کو غسل سے جلدی فارغ ہونے کا پیغام دے آیا۔ اس دوران میں کوتوال اس حویلی کے احوال کا جائزہ لینے لگا۔ وہ اس حویلی کی شان و شوکت اور اُس میں لوگوں کی گہما گہمی دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

جوں جوں اموی سردار کی آمد میں تاخیر ہوتی گئی اس کا خوف اور قلق بڑھتا گیا کہ مبادا وہ کہیں چھپ نہ جائے۔ تا آں کہ ایک پُروقار اور وجیہ شخص صحن میں داخل ہوا، اس کے دائیں بائیں جوانوں اور نوعمر بچوں کی جماعت تھی۔ اسے دیکھ کر کوتوال کو یقین آگیا کہ یہی وہ اموی بزرگ سردار ہے، جسے اس نے گرفتار کرنا ہے اور یہ سب کے سب اس کے بیٹے اور پوتے ہیں۔

وہ سردار السلام علیکم کہہ کر کوتوال کے پاس آیا، اس سے خلیفہ کی خیریت دریافت کی اور دیگر اَحوال پوچھتا رہا۔ ابھی وہ اپنی باتوں میں تھا کہ اس کے خدام پھلوں بھری ٹوکریاں لے آئے اور اُنھیں کاٹ کاٹ کر طشتری میں رکھنے لگے۔

اس سردار نے اِس کوتوال کو کھانے کی دعوت دی، جو اُس نے قبول نہ کی اور اپنی جگہ خاموشی سے بیٹھا رہا۔ اموی سردار اپنے ساتھیوں سمیت پھل تناول کرنے میں مشغول ہو گیا۔

جب وہ پھل کھا چکا تو اُس کے خدام اور غلام کھانے کا دسترخوان بچھانے میں مصروف ہو گئے۔ انھوں نے مختلف رنگوں اور ذائقوں سے بھرپور ایسا کھانا پیش کیا جو حکمران کے علاوہ کسی کو زیب نہ دیتا تھا۔ اس سردار نے کوتوال کو ایک مرتبہ پھر کھانا تناول کرنے کی دعوت دی، جو اُس نے قبول نہ کی۔ سردار نے بھی اصرار نہ کیا اور اپنے ساتھیوں سمیت کھانے میں مشغول ہو گیا۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو نماز میں مشغول ہو گیا اور قابلِ رشک اطمینان سے نماز پڑھی اور ہاتھ اٹھا کر پُرسوز انداز میں دعا و مناجات میں مشغول ہو گیا۔ جب وہ دعا و مناجات سے فارغ ہوا تو اُس کوتوال سے پوچھا کہ بتاؤ، کیسے آنا ہوا؟

اس نے خلیفہ کا لکھا ہوا گرفتاری کا حکم نامہ دکھایا، جو اُس سردار نے نہایت اطمینان سے پڑھا اور پھر اپنی اولاد کو واپس چلے جانے کا حکم دیا اور کہا:

''خلیفہ کا فرمان ہے، میں اسے پڑھ کر لمحہ بھر تاخیر کا رَوادار نہیں ہوں۔ لائیے، اپنی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں، اور مجھے پہنا دیجیے۔''

کوتوال نے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں منگوائیں اور اُنھیں پہنا کر اُونٹ کے ہودج میں ایک طرف بٹھا دیا اور خود دُوسری طرف بیٹھ گیا۔ جب وہ سردار کو لے کر دشت سے باہر آیا تو وہ سردار خندہ پیشانی سے کوتوال سے باتیں کرنے لگا۔ جب وہ غوطہ کے باغات میں سے گزرے تو اُس سردار نے کوتوال سے کہا:

''یہ باغات دیکھ رہے ہو؟ ان میں مختلف اقسام کے پھل اور جُدا جدا خوش بُوؤں اور رنگوں کے پھول ہیں۔''

جب وہ اپنے پھلوں اور پھولوں بھرے باغات کی تعریف سے فارغ ہوا تو اپنے کھیتوں کا حسن و رعنائی بیان کرنے لگا۔

جب بھی وہ اپنے کھیتوں، باغوں اور بستیوں کی تعریف کرتا، کوتوال کو اُس پر غصہ آتا، لیکن مروتاً خاموش رہ جاتا، لیکن ایک موقع پر اُس نے حیرانی سے کہہ ہی دیا:

''اے اللہ کے بندے! اپنی جاگیروں، باغوں اور کھیتوں کی تعریف چھوڑ اور اَپنے انجام کی فکر کر۔ امیر المومنین کو تیری اس مال داری اور آسودہ حالی نے پریشان کر دیا ہے اور اُنھوں نے تجھے توہین آمیز طریقے سے گرفتار کر کے اپنے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم انھیں کے حکم کے مطابق تجھے تیرے اہل و عیال اور حاشیہ نشینوں کی موجودگی میں گرفتار کر کے لا رہے ہیں۔ تجھے اس بات کی فکر ہی نہیں کہ تیرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔''

کوتوال کی بات سن کر اُس سردار نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور کہا:

''اے منازہ! تیرے بارے میں میری فراست غلط ہو گئی، میں تو سمجھا تھا کہ امیر المومنین نے تجھے اچھی طرح کامل العقل سمجھ کر اِس مقام پر فائز کیا ہے، لیکن تیری بات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی عوام کی سی باتیں کرتا ہے۔

یہ جو تُو نے کہا ہے کہ امیر المومنین نے مجھے اس حال میں تجھے اپنے دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا ہے تو سن لے، مجھے اس خالق اور مالک پر مکمل بھروسا ہے، جس کے قبضہ و قدرت میں میرا مقدر ہے۔ امیر المومنین نہ اپنے نفع و نقصان کے مالک ہیں نہ کسی اور کے۔ وہ اپنے آپ کو یا کسی اور کو اِتنا ہی نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں جتنا اللہ چاہے، اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کر سکتے۔ امیر المومنین کے بارے میں، میں نے کسی ایسے گناہ کا ارتکاب نہیں کیا جس کی وجہ سے میں پریشان ہو جاؤں۔

جب انھیں میرے معاملے کا پتا چل جائے گا کہ میں کسی بھی صورت میں ان کے حق میں بُرا نہیں ہوں، حاسدوں اور دشمنوں نے میرے بارے میں حسد کی وجہ سے ان کے کان بھرے ہیں اور مجھ پر وہ بہتان لگائے ہیں جن کی میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تو وہ میرے خون کو حلال نہیں سمجھیں گے اور مجھے عزت و احترام سے واپس بھیج دیں گے۔

لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ مجھے امیر المومنین کے ہاتھوں نقصان پہنچنا ہے اور اُنھوں نے میرا خون بہانا ہی ہے تو سارے انسان، اور جن اور فرشتے مل کر بھی مجھے نہیں بچا سکتے۔ میں اس فیصلے سے جو اللہ تعالیٰ میرے بارے میں لکھ کر فارغ ہو چکا ہے، کیوں غم کھاؤں اور کیوں اس کی فکر کروں؟ مجھے اس اللہ کے بارے میں حسن ظن ہے جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے، اُسے رزق عطا کیا ہے اور زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں ہے، جو ذات دنیا و آخرت کا مالک ہے۔ اس کی رضا پر راضی رہنا اور اس پر صبر کرنا بہتر ہے۔

میں تو سمجھتا تھا کہ تیرا اِس بات پر پختہ ایمان ہے، مگر اَب جب کہ مجھے تیری سمجھ داری کا پتا چل گیا ہے تو میں امیر المومنین کے سامنے پیش ہونے تک تجھ سے بات نہ کروں گا۔''

اس کے بعد بزرگ سردار نے کوفہ پہنچنے تک سوائے سبحان اللہ، الحمد للہ، لاحول و لا قوۃ اِلا باللہ کہنے یا ضروری حاجت کے لیے پانی مانگنے کے اور کوئی بات نہ کی۔

جب کوتوال کوفے میں داخل ہوا اور سردار کو ایک جگہ پر بٹھا کر اُمیر المومنین کے دربار میں پیش ہوا تو اُس نے امیر المومنین کو سَردار کی شرافت، وجاہت، مال و دولت کی فراوانی، اسے گرفتار کرنے اور اُسے کوفہ تک لانے کی اول تا آخر کہانی سنائی تو ہارون الرشید بول اٹھا:

''اللہ کی قسم! یہ آدمی سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی فراوانی کی وجہ سے اس کے حاسدین نے آتش حسد میں جل کر اُس کے بارے میں بے سروپا باتیں کی ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم نے بلا وجہ اسے تکلیف دی، اُسے پریشان کیا اور اُس کے اہل وعیال کو خوف زدہ کیا۔ اٹھو، فوراً اُس کی ہتھکڑیاں کھولو اور بیڑیاں اتار کر اُسے عزت و اِحترام سے میرے پاس لے کر آؤ۔''

کوتوال اٹھا اور اُس نے بزرگ سردار کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھول دیں اور اُسے ہارون الرشید کے دربار میں پیش کر دیا۔ ہارون نے جب بذاتِ خود اُس کے معصوم چہرے کا ملاحظہ کیا تو اُس پر وارفتگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور اُس کا چہرہ سونے کی طرح تمتمانے لگا۔ بزرگ سردار نے قریب آ کر سلام کیا، جس کا ہارون رشید نے بڑی محبت سے جواب دیا اور اُس کا حال احوال پوچھنا شروع کر دیا اور کہا:

''ہمیں آپ کی مال داری اور سرداری کی اطلاعات پہنچی تھیں اور ہمارے سامنے ایسی باتوں کا تذکرہ ہوا تھا جو ہمارے لیے باعث تشویش تھیں، اس لیے ہم نے پسند کیا کہ آپ کو بُلا کر اُن باتوں کی حقیقت معلوم کی جا سکے اور ہم آپ کا جواب بھی سن سکیں اور آپ کے ساتھ کوئی نیکی بھی کر سکیں، لہٰذا اب آپ اپنی ضروریات بیان کیجیے۔

بزرگ سردار نے پہلے تو ہارون رشید کا شکریہ ادا کیا، اس کے لیے دعائے خیر کی اور ایک ایک بات کا شان دار اور تسلی بخش جواب دیا۔ آخر میں درخواست کی کہ مجھے میرے گھر بار اور اَہل وعیال کے پاس سلامتی کے ساتھ واپس بھجوا دیا جائے۔

ہارون رشید نے کہا:

''ایسا کرنا تو ہمارے ذمے ہے اور ہم اس فرض کو بجا لائیں گے، لیکن آپ اپنی ضروریات سے آگاہ کیجیے، جنھیں پورا کر کے ہم آپ کے معاون بن سکیں، کیوں کہ آپ جیسے آدمی کو اپنی سرداری سے متعلق مختلف چیزوں کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔

اس سردار نے جواب دیا:

''اے امیر المومنین! آپ کے سپاہی انصاف پرَور ہیں اور اُن کے عدل وانصاف نے مجھے ہر طرح کے سوال سے بے نیاز کر دیا ہے۔ امیر المومنین کی حکومت کے سائے میں میرے اور میرے اہل وطن کے معاملات ٹھیک طریقے سے چل رہے ہیں۔''

ہارون الرشید نے کہا:

''تمھیں اپنے ملک میں امن وامان سے جانے کی اجازت ہے۔ اگر کبھی ہماری ضرورت پڑے تو خط لکھ دینا، تعمیل کر دی جائے گی۔''

پھر ہارون الرشید، منازہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

''اے منازہ! انھیں فوری طور پر وہاں پہنچاؤ جہاں سے انھیں لائے تھے۔''

چناں چہ اموی سردار کو عزت و اِحترام سے واپس پہنچا دیا گیا اور حاسدین کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔

(ماخذ: قصص من التاریخ)

سوال آدھا، جواب آدھا ۳۸ کے درست جوابات

1. سورۂ بُروج۔
2. حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ۔
3. تقریباً دس سال۔
4. حکیم بُوعلی سینا۔
5. علامہ محمد اقبال۔
6. کیمیائی سائنس دان۔
7. پاکستان۔
8. کان مہترزئی ریلوے اسٹیشن (صوبہ بلوچستان)
9. حالات قابو میں ہیں۔
10. دس لاکھ اڑتالیس ہزار پانچ سو چھتّر۔

ذوقِ معلومات (۸۲) کا درست جواب

☆ بندر

دس سال سے زائد عمر کے بچوں کے لیے

انو منو کا دستر خوان ۶

انعم توصیف۔ کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پیارے قارئین! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔

نئے شمسی سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعائیں کرتے ہوئے اور صدقہ دیتے ہوئے اس کی شروعات کیجیے۔

چاند ہو یا سورج، سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ ان کے مطابق شروع ہونے والے سال کا آغاز خوش دلی سے کیجیے۔ یہ دنیا ہمارے رب کی ہے، ہم اس کے بندے ہیں، اس نے ہی اپنے بندوں کے دلوں میں شمسی و قمری سال کا حساب کتاب ڈالا ہے، اس لیے بس اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ہر نئے سال اور سال کے ہر نئے دن کا آغاز کیجیے۔ حلال نعمتیں کھائیے اور دوسروں کو بھی کھلائیے۔

خیر، آج تک ہم جو تراکیب سیکھتے آئے ہیں وہ ایسی ہیں کہ آپ شام کے وقت چائے کے ساتھ کھا سکتے ہیں یا پھر اُن سے ہلکی پھلکی بھوک مٹا سکتے ہیں۔

کیوں نا سال کے آغاز پر آپ کو ایسی ترکیب سکھائی جائے جسے آپ پیٹ بھر کر روٹی کے ساتھ کھا سکیں اور امی سے کہیں کہ آج آپ آرام کیجیے، ہم رسالے میں سے دیکھ کر سب کے لیے بہت ہی کم اجزا کے ساتھ مزے دار کھانا تیار کریں گے اور سب سے خوب داد سمیٹیں گے، ان شاء اللہ!

تو آئیے، میں بتاتی ہوں آپ کو مزے دار اور آسان سی ترکیب کے اجزا۔ گھر میں موجود افراد کے حساب سے آپ ان اجزا کو گھٹا بڑھا لیجیے گا۔ اجزا کی اس تعداد میں تین افراد کھا سکتے ہیں۔

اجزا:

مرغی	آدھا کلو
دہی	ایک پاؤ

کالی مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسبِ ذائقہ
لہسن، ادرک کا پیسٹ	دو چائے کے چمچے
لیمو	ایک عدد بڑے سائز کا
کارن فلور	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
ثابت ادرک	حسبِ ضرورت
ہری مرچیں	چھے عدد
تیل	آدھا پاؤ

ترکیب:

ہاتھ تو آپ نے دھو ہی لیے ہوں گے، اب بسم اللہ پڑھ کے کام شروع کرتے ہیں۔

سب سے پہلے مرغی میں دہی، آدھا کھانے کا چمچہ کالی مرچ، نمک، لہسن ادرک کا پیسٹ اور آدھے لیموں کا رَس ڈال کر، اچھی طرح ملا کر رکھ دیجیے، اس طرح کہ مرغی ان مسالا جات میں ڈوبی ہوئی نظر آئے۔

اب آدھے گھنٹے کے لیے مرغی کو آرام کرنے دیں، تاکہ مسالا، مرغی میں جذب ہو جائے۔ اس دوران میں اپنا کوئی اور کام نمٹا لیجیے۔ (وقت کی ہمیں قدر کرنی چاہیے۔)

اہل جنت اس وقت پر اَفسوس کریں گے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر گزر گیا ہوگا، اس لیے کوشش کریں کہ کلمہ، درود شریف، استغفار وغیرہ زبان سے کرتے رہیں۔ شروع میں یہ مشکل لگتا ہے، لیکن ایک بار جب زبان عادی ہو جائے تو کوئی بھی کام کرتے ہوئے وہ خود بخود اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آپ زندگی کے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہت سی آسانیاں دیکھیں گے، ان شاء اللہ!

آدھا گھنٹا گزر جائے تو بہت دھیان سے ایک قدرے چوڑی پتیلی چولھے پر رکھیے۔ چولھا جلاتے ہوئے گیس کم کھولیے۔ دھیان سے آگ جلائیے۔ اب پتیلی میں تیل ڈالیے۔

تیل گرم ہو جائے تو مرغی کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر اِس طرح پتیلی میں رکھیے کہ سب ٹکڑے پتیلی کے پیندے پر لگ رہے ہوں۔ دہی کا مسالا جو پیالے میں رہ جائے، اسے اٹھا کر ایک طرف رکھ دیجیے۔ درمیانی آنچ پر مرغی پکائیے۔

جب مرغی کا رنگ ایک طرف سے سنہری ہو جائے تو تمام ٹکڑوں کو دوسری جانب پلٹ دیجیے۔ دوسری جانب سے بھی مرغی کا رنگ سنہرا ہونا چاہیے۔

اس ترکیب میں یہی سب سے اہم نقطہ ہے۔ سنہرے رنگ سے مرغی میں ایسا ذائقہ آئے گا جیسے تلی ہوئی مرغی میں آتا ہے۔

مرغی پر جتنی دیر میں رنگ آئے گا اتنی دیر میں ہی مرغی ان شاء اللہ! گل جائے گی۔

مرغی کا رنگ سنہری ہونے کے بعد اَب دہی والا مسالا، پتیلی میں ڈال دیں۔ آدھا چمچہ کالی مرچ، جو بچ گئی تھی، وہ اب ڈالیں اور ساتھ ہی آدھے کپ پانی میں کارن فلور گھول کر شامل کیجیے۔

اب پندرہ منٹ کے لیے ہلکی آنچ پر پکنے دیجیے۔ آخر میں بقیہ آدھے لیموں کا رَس ڈال کر آدھا منٹ پکائیے۔ اب ہری مرچیں اور اَدرک کاٹ کر مرغی کے اوپر ڈال کر سجاوٹ کیجیے۔

مزے دار کھانا تیار ہے۔ اسے چپاتی، تندور کی روٹی یا پھر نان کے ساتھ تناول کیجیے۔

اس ترکیب کا نام آپ جو چاہیں، رکھیے۔ نام خود سوچنے سے آپ کے دماغ کی مشق ہوگی۔ دماغ کی مشق کرتے رہنا چاہیے، اس طرح سوچنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

انو منو نے تو یہ ترکیب آزما کر اپنے دسترخوان کی زینت بھی بنالی، الحمد للہ! آپ بھی اسے ضرور آزمائیے گا۔

سب کو بہت پسند آئے گی، ان شاء اللہ!

یاد ہے نا! ترکیب پسند آنے کی صورت میں کیا کرنا ہے!؟ انو منو کو دُعاؤں میں یاد رکھنا ہے۔

ملتے ہیں اگلے ماہ ایک اور مزے دار ترکیب کے ساتھ، ان شاء اللہ!

بکھرے موتی

قارئین

☆ جو تمھارے وہ اوصاف بیان کرے جو تم میں نہ ہوں، وہ تمھارے ایسے عیب بھی بیان کرے گا جو تم میں نہیں۔

☆ اگر لوگوں کو عزت دینا اور معاف کرنا تمھاری کمزوری ہے تو تم دنیا کے سب سے طاقت وَر انسان ہو۔

(حفصہ شوکت۔ کراچی)

☆ کسی انسان کو دُکھ دینا اتنا ہے آسان ہے جتنا سمندر میں پتھر پھینکنا، مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ پتھر کتنی گہرائی میں گیا ہے۔

☆ کوئی بھی فیصلہ لینے سے پہلے سو بار سوچ لو، لیکن جب کوئی فیصلہ لے لو تو اُس پر ڈٹ جاؤ۔

(محمد حمزہ۔ کراچی)

☆ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر یقین رکھو، زندگی آسان ہو جائے گی۔

☆ اچھے لوگوں کا تمھاری زندگی میں آنا تمھاری قسمت ہوتی ہے اور اُنھیں سنبھال کر رکھنا تمھارا ہنر۔

☆ صبر ایک ایسی سواری ہے جو اپنے سوار کو کبھی گرنے نہیں دیتی، نہ کسی کے قدموں میں، نہ کسی کے نظروں میں۔

☆ لفظ انسان کے غلام ہوتے ہیں، مگر صرف بولنے سے پہلے تک، بولنے کے بعد اِنسان اپنے الفاظ کا غلام بن جاتا ہے۔

(عائشہ سلمان۔ کراچی)

☆ جو تمھاری خاموشی سے تمھاری تکلیف کا اندازہ نہ کر سکے، اس کے سامنے زبان سے اظہار کرنا صرف لفظوں کو ضائع کرنا ہے۔

☆ مصیبت اگر اِنسان کو دولت مند نہیں تو عقل مند ضرور بنا دیتی ہے۔

☆ خاموشی سے محنت کرتے رہو، تمھاری کامیابی خود شور مچا دے گی۔

(ماہ نور۔ حیدر آباد)

☆ وقت تو وقت پر بدلتا ہے، لیکن انسان کسی بھی وقت بدل جاتا ہے۔

☆ مشکل وقت سبھی پر آتا ہے، کوئی بکھر جاتا ہے اور کوئی نکھر جاتا ہے۔

☆ وقت، اعتبار اور عزت، ایک دفعہ چلے جائیں تو واپس نہیں آتے۔

☆ منصف کے لیے اتنا کافی ہے کہ فیصلہ کرنے سے قبل وہ یہ سوچ لے کہ ایک دن اسے بھی کسی ملزم کی طرح ایک بڑی عدالت میں پیش ہونا ہے۔

☆ کتابوں کی دوستی بہت ہی اچھی ہوتی ہے۔ وہ ہم سے انسانوں کی طرح باتیں تو نہیں کرتیں، لیکن انجانے میں بہت کچھ سکھا جاتی ہیں۔

☆ انسان سب کچھ بھول سکتا ہے، سوائے ان لمحات کے جب اسے اپنوں کی ضرورت تھی اور وہ موجود نہیں تھے۔

(ناہید۔ ٹھٹھہ)

چُوچُو کی بیٹھک

سائرہ شاہد۔ ڈیرہ غازی خان

رات ہوئی تو چِڑستان میں ایک شور برپا ہوگیا۔ بہت سارے گھونسلوں میں مائیں چڑیاں موجود نہیں تھیں اور اُن کے بچے بھوک اور پریشانی کی وجہ سے شور کررہے تھے۔ بزرگ چڑیاں یہ سب دیکھ کر پریشان ہوگئیں اور اُنھوں نے کچھ چڑیوں کو اپنی ساتھیوں کی تلاش میں بھیجا۔ کچھ دیر بعد وہ سب اُداسی سے واپس لوٹ آئیں اور خبر دِی کہ کچھ چڑیاں بچوں کا شکار ہو کر مرچکی ہیں اور کچھ لاپتا ہیں۔ اتنے میں ڈیزی چڑیا کا بچہ چُن مُن آتا دکھائی دیا۔

''چوچو خالہ نے تمام بزرگ چڑیوں کی بیٹھک بلائی ہے۔ چِڑستان کی خوش حالی کے لیے آپ سب چُوچُو خالہ کے گھونسلے کی طرف آجائیے۔''

چُن مُن نے آتے ہی کہا اور تیزی سے واپس چلا گیا۔ بزرگ چڑیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور چُوچُو کے گھونسلے کی طرف چلی گئیں۔

......☆......

کچھ دن پہلے چڑیوں کی چہچہاہٹ فضا میں ایک خوب صورت تاثر پیدا کررہی تھی۔ تمام چڑیاں اپنے اپنے انداز میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا کررہی تھیں۔ یہ چِڑستان تھا، جہاں تمام چڑیاں بہت خوش حال زندگی گزار رہی تھیں۔

چِڑستان میں تمام چڑیوں نے اپنے اپنے گھونسلے بنا رکھے تھے۔ مائیں چڑیاں انسانوں کی آبادی میں جا کر دانہ چگتیں اور اپنے بچوں کے لیے بھی لے آتی تھیں۔ چڑستان میں امن وسکون تھا اور کسی کو کوئی پریشانی نہیں تھی۔

......☆......

''چوں چوں...... چوں چوں۔''

ایک شام چُوچُو نے یہ آوازیں سُنیں تو اِن آوازوں پر غور کرنا شروع کردیا۔ آخر اُسے پتا چل گیا کہ یہ اس کی دوست ڈیزی چڑیا کے دونوں بچوں کی آواز ہے۔ یہ سُن کر چُوچُو کو بہت حیرت ہوئی۔ وہ جلدی سے اُڑ کر ڈیزی چڑیا کے گھونسلے کی طرف گئی۔

''کیا بات ہے بچو!؟ کیوں پریشان ہو؟''

چُوچُو نے بچوں کے پاس جا کر محبت سے سوال کیا۔

''امی بھی تک گھر واپس نہیں آئیں۔''

ڈیزی چڑیا کے بڑے بچے چُن مُن نے کہا تو چُوچُو نے اسے تسلی دی اور ڈیزی کو تلاش کرنے نکل پڑی۔

وہ کچھ دیر تک اُڑتی رہی اور ڈیزی کو تلاش کرتی رہی۔

''چوں چوں...... چوں چوں۔''

اچانک چُوچُو کو آواز آئی تو وہ نیچے اُتری، اُس نے اِردگرد دیکھا، لیکن اُسے کچھ نظر نہ آیا۔ وہ آگے جانے لگی تو دوبارہ آواز سنائی دی۔ چُوچُو کو محسوس ہوا کہ اُس کی دوست ڈیزی یہیں کہیں موجود ہے۔ اُس نے توجہ سے دیکھنا شروع کر دیا اور پھر اُسے ڈیزی نظر آ گئی۔ وہ جلدی سے اُس کے پاس گئی اور دیکھا کہ ڈیزی کی ایک ٹانگ زخمی ہے۔

''یہ کیا ہوا ڈیزی!؟'' چُوچُو نے پریشان ہو کر سوال کیا۔

''آہ! کچھ بچوں نے غلیل سے میرا نشانہ باندھا اور مجھے زخمی کر دیا۔'' ڈیزی نے کراہتے ہوئے جواب دیا تو حیرت سے چُوچُو کا منہ کُھل گیا۔

''کیا؟ یعنی اِنسانوں کی دنیا میں خطرہ شروع ہو گیا ہے؟''

چُوچُو نے دُکھ سے کہا تو ڈیزی بھی دُکھی ہو گئی۔

''چلو، ابھی گھر چل کر تمھاری مرہم پٹی کرتی ہوں۔ تمھارے بچے بھی تمھارے لیے پریشان ہیں۔''

چُوچُو نے کہا تو ڈیزی آہستہ آہستہ اُس کے ساتھ اُڑنے لگی۔

''یہ ڈیزی کو کیا ہوا؟''

''شاید کہیں گر گئی ہو گی۔''

''چلو، تیمارداری کے لیے چلتے ہیں۔''

وہ دونوں چِڑستان میں داخل ہوئیں تو چڑیوں نے ڈیزی کی حالت دیکھ کر باتیں کرنا شروع کر دیں۔ سب بزرگ چڑیاں ایک دوسرے سے مشورہ کر کے ڈیزی کے گھونسلے کی طرف چلی گئیں۔ جب وہ پہنچیں تو چُوچُو اُس کی مرہم پٹی کر چکی تھی۔ ڈیزی کے بچے اپنی ماں سے لپٹے ہوئے تھے اور بہت خوف زدہ تھے۔ سب چڑیوں نے ڈیزی کی خیریت دریافت کی۔

''اللہ کا شکر ہے کہ میری جان بچ گئی۔'' ڈیزی نے آہستہ سے جواب دیا۔

''تم زخمی کیسے ہو گئیں؟'' ایک بزرگ چڑیا چیں چیں نے سوال کیا تو ڈیزی کی آنکھیں بھر آئیں۔

''انسانوں کی دنیا میں چِڑستان کی ہر چڑیا کے لیے اب خطرہ ہے، کیوں کہ بچے بدل گئے ہیں۔'' ڈیزی نے روتے ہوئے جواب دیا تو سب نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟'' چیں چیں نے جلدی سے سوال کیا۔

''بچوں کو ہم سے پیار نہیں رہا۔ ان کے ہاتھ میں غلیل ہوتی ہے اور وہ ہمیں نقصان پہنچا کر خوش ہوتے ہیں۔ آج ایک بچے نے ہی مجھے زخمی کیا ہے۔''

ڈیزی نے تفصیل بتائی تو سب نے بے یقینی سے ڈیزی اور پھر چُوچُو کو دیکھا۔ بزرگ چڑیوں کے سامنے بچوں کی بُرائی کی گئی تو وہ ناراض ہو گئیں۔

''جھوٹ مت بولو ڈیزی! بچے بہت محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے۔''

ایک بزرگ چڑیا نے غصے سے کہا اور وہ سب ناراض ہو کر اپنے اپنے گھونسلوں میں واپس چلی گئیں۔ سب کا یہ رویہ دیکھ کر ڈیزی اور چُوچُو مزید پریشان ہو گئیں۔

......☆......

چُوچُو نے سب چڑیوں کو اپنے گھونسلے کی طرف آتے دیکھا تو خوشی سے ان کا استقبال کیا۔ کچھ دیر بعد چُوچُو نے بات شروع کی:

''کچھ دنوں سے چِڑستان کی چڑیوں کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ اب ہمیں اپنی حفاظت کے لیے کچھ سوچنا پڑے گا۔''

چُوچُو نے بات شروع کی تو سب نے اثبات میں سر ہلایا۔

''بچے بہت پیارے ہوتے ہیں اور پرندوں سے پیار بھی کرتے ہیں، لیکن اب لگتا ہے کہ انھیں ہم سے پیار نہیں رہا۔''

چیں چیں نے اپنا نظریہ پیش کیا۔

''ہم سب کو مل کر بچوں کے پاس جانا چاہیے اور اُن سے بات کرنی چاہیے۔'' چُوچُو نے مشورہ دیا تو سب کے چہروں پر خوف نظر آنے لگا۔

''ڈریں نہیں، اب بھی کچھ بچے ایسے ہیں جو ہم سے پیار کرتے ہیں۔ وہ ہماری بات سُن کر اپنے دوستوں کو ضرور سمجھائیں گے۔''

بقیہ صفحہ نمبر 43 پر

الطاف حسین۔کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۱،جنوری تک ارسال کردیجیے، ہم آپ کو اِس کا انعام روانہ کردیں گے۔ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو اِنعام سے نوازا جائے گا۔کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

۱ قرآن مجید کی ''سورۂ نحل''، میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر صرف ایک مرتبہ آیا ہے...... بتایئے ''سورۂ آل عمران'' میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر کتنی مرتبہ آیا ہے؟

۲ ''مہرِ نبوی'' سے مراد چاندی کی وہ انگوٹھی ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصی طور پر تیار کروائی تھا...... بتایئے ''مہرِ سلیمان'' کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۳ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خِلافت کا دورانیہ ۱۳، ربیع الاوّل ۱۱،ہجری سے ۲۲، جمادی الثانی ۱۳،ہجری تک تھا...... کیا آپ کو معلوم ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دورانیہ کب سے کب تک تھا؟

۴ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاکستان کے شہر لاہور میں واقع ہے...... بتایئے حضرت بابا شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاکستان کے کس شہر میں واقع ہے؟

۵ حکیم محمد سعید دہلوی (شہید) پاکستان کے طبی سائنس دان تھے...... بتایئے ڈاکٹر عبدالماجد کا تعلق کس نوعیت کے سائنس دانوں سے ہے؟

۶ اردن کے عوام ہر سال ۲۵ ،مئی کو ''یومِ آزادی'' مناتے ہیں...... آپ یہ بتایئے کہ چین کے عوام کس تاریخ کو ''یومِ آزادی'' مناتے ہیں؟

۷ سعودی عرب کے دارالحکومت کا نام ''ریاض'' ہے...... کیا آپ جانتے ہیں کہ ''عدیس ابابا'' کس ملک کے دارالحکومت کا نام ہے؟

۸ آذربائیجان کی پارلیمنٹ کو ''ملی مجلس'' کہا جاتا ہے...... بتایئے، تاجکستان کی پارلیمنٹ کیا کہلاتی ہے؟

۹ سورج کی روشنی سات رنگوں کا مجموعہ ہوتی ہے...... بتایئے، اس کے علاوہ وہ کون سی چیز ہے جو سات رنگوں پر مشتمل ہوتی ہے؟

۱۰ ''جان جائے، پَر آن نہ جائے'' اردو زبان کی ایک مشہور ضرب المثل ہے، جس کا مطلب ہے: ''عزت کو ہر حال میں قائم رکھنا چاہیے''...... بتایئے ''جب تک سانس تب تک آس'' کا کیا مطلب ہے؟

نیکیوں کا دریا

"اس قدر سردی میں شکار کیسے ملے گا؟" برف سے ڈھکی جھیل کی طرف دیکھتے ہوئے بونی بگلے نے افسردگی سے کہا۔

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا، ورنہ ہم بھوک سے مرجائیں گے۔" بونی کی بڑی بہن، سونی نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"اففف! بہت سردی ہے۔" بونی نے اپنی چونچ کی مدد سے جھیل کے اوپر سے برف کی تہ ہٹائی۔

"ہمیں سردیوں سے پہلے ہی شکار کر کے مچھلیاں جمع کر لینی چاہیے تھیں۔" سونی نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

"اب کیا کریں؟" بونی نے ہمت ہارتے ہوئے سوال کیا۔

وہ دونوں شدید سردی میں اس سنسان علاقے میں موجود تھے۔ ان کے سب ساتھی اپنے گھروں میں دبکے آرام سے سو رہے تھے۔ دوپہر سے شام ہوگئی تھی، مگر اُنھیں کہیں سے کوئی شکار نہیں ملا تھا۔ نا اُمیدی ان کے چہروں سے جھلک رہی تھی۔ گھنٹوں بعد اُنھیں ایک جھیل نظر آئی تھی جو برف کی تہ سے ڈھکی ہوئی تھی، مگر وہ تہ دیکھنے میں نرم لگ رہی تھی، اسی لیے وہ دونوں تیزی سے اس جھیل کی جانب بڑھے۔

"کہتے ہیں کہ امید پر دُنیا قائم ہے، لیکن ہماری تو اُمید بھی ختم ہو رہی ہے۔" برف کو توڑتے توڑتے بونی کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ وہ وہیں برف سے ڈھکی زمین پر ڈھے گیا۔ سونی بھی اسے دیکھ کر ہمت ہارنے لگی۔ انھیں اپنی موت کا یقین ہونے لگا۔

"ہمیشہ اپنے چھوٹے بھائی کا خیال رکھنا اور کبھی بھی نا امید مت ہونا۔" بونی کے کانوں میں اپنی ماں کی آواز گونجی۔ اس دنیا سے جانے سے پہلے سونی کو ماں نے پیار سے یہ بات کہی تھا۔ یہ بات یاد آتے ہی سونی ایک جھٹکے سے اچھل کر کھڑی ہوگئی۔

"اپنی سستی کی وجہ سے ہم پہلے ہی شکار نہیں کر سکے۔ اب ہم سے غلطی ہو ہی گئی ہے تو ہم مزید پریشان ہونے کے بجائے ہمت سے کام لیں، اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ بسم اللہ......" سونی نے پُرجوش انداز میں کہا اور تیزی سے مسلسل برف پر چونچ مارنے لگی۔ اسے دیکھ کر بونی بھی اس کے پاس آ کر اُس کی مدد کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کی شدید مشقت کے بعد اُنھیں جھیل کا پانی نظر آنے لگا، لیکن فی الحال پانی کی سطح پر کوئی مچھلی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"اف! اتنی محنت کی اور......" بونی نے مایوسی سے سر جھکایا۔

"امید پر دُنیا قائم ہے میرے بھائی! تھوڑی دیر اِنتظار کرتے ہیں، کیا پتا کوئی شکار نظر آ جائے۔" سونی خود بھی تذبذب کا شکار تھی، مگر وہ بونی کے سامنے ظاہر نہیں کر رہی تھی۔

’’کب تک انتظار کریں گے ہم؟ انتظار کرتے کرتے ہم بھوک سے مر گئے تو؟‘‘ آدھا گھنٹا گزر جانے کے بعد بونی نے معصومیت سے سوال کیا تو سونی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

’’چلو، کہیں اور چل کر کوشش کرتے ہیں۔‘‘ سونی نے ابھی یہ کہا ہی تھا کہ بونی کو پانی میں تیرتی ہوئی سنہرے رنگ کی مچھلی نظر آئی۔

’’سنہری مچھلی!‘‘ بونی نے خوشی سے چلاتے ہوئے کہا۔ سونی نے پھرتی سے اپنی چونچ کو پانی میں ڈالا اور مچھلی کو پکڑ لیا۔ ابھی وہ مچھلی کو باہر نکالنے ہی والی تھی کہ وہ مچھلی دھیمی آواز میں سونی سے التجا کرنے لگی۔

’’مجھے چھوڑ دو۔ میرے ماں باپ کا میرے علاوہ کوئی سہارا نہیں ہے۔ وہ بہت بوڑھے ہیں۔ میں ہی ان کی خدمت کرتی ہوں۔‘‘

مچھلی کی آواز سُن کر دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔ شدید بھوک کے باوجود بھی سونی کو مچھلی پر ترس آ گیا اور اُس نے مچھلی کو چھوڑ دیا۔

’’یہ آپ نے کیا کیا؟‘‘ بونی نے غصے سے سونی کی جانب دیکھا۔

’’اس کے ماں باپ کو اُس کی ضرورت ہے بونی! میں نے تو بس نیکی کی ہے۔‘‘ بونی کے اس انداز پر سونی نے دکھ سے جواب دیا۔

’’آپ نے نیکی کے چکر میں اسے چھوڑ دیا۔ آپ کی یہ نیکی ہماری بھوک تو نہیں مٹا سکتی۔‘‘ بونی کی آواز اَب بلند ہو گئی تھی۔

’’میں نے تو بس......‘‘ سونی نے جملہ مکمل بھی نہ کیا تھا کہ بونی بول پڑا:

’’نیکی کر دریا میں ڈال۔‘‘

’’ماں نے مجھے یہی سکھایا تھا۔‘‘ سونی نے ماں کا ذکر کیا۔

’’آج کے دور میں نیکی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہر کوئی اپنا بھلا کرتا ہے۔ ایک آپ ہیں کہ ہر وقت ماں کی کہی ہوئی باتوں کو لے کر بیٹھ جاتی ہیں۔‘‘ بھوک اور غصے کی وجہ سے بونی بنا سوچے بولے جا رہا تھا۔

سونی نے کوئی بھی جواب دینے کے بجائے رونا شروع کر دیا۔ اس نے روتے ہوئے آسمان کی جانب نگاہ اٹھائی۔

’’یا اللہ! آپ تو کبھی کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتے۔ ماں نے مجھے یہی بتایا تھا۔ ہماری مدد کیجیے۔‘‘

ابھی بونی مزید کچھ کہتا، لیکن ایک دم ہی ان دونوں نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کچھ آوازوں نے انھیں اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ جھیل کے پاس موجود درختوں کے جھنڈ کے نیچے انھیں دوسرے شہروں سے آنے والے سیاح بیٹھے نظر آئے۔ وہ لکڑیوں سے آگ جلا کر اُس پر مزے دار مچھلیاں بھون کر کھا رہے تھے۔ ساتھ ہی بچے کھیل کر رہے تھے۔

’’کاش ہم بھی مچھلیاں کھا سکتے۔‘‘ بونی نے ان سب کو دیکھتے ہوئے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان سیاحوں کے قریب ہونے لگے، اس امید پر کہ شاید کوئی، بچا کھچا مچھلی کا ٹکڑا وہاں پھینک دے اور اُسے کھا کر وہ اپنی بھوک مٹا سکیں۔

’’امی! دیکھیں بگلا!‘‘ ان سیاحوں میں سے ایک بچہ، بونی کو دیکھ کر چلّایا۔

’’اس قدر ٹھنڈ میں شام کے وقت یہ بگلے یہاں کیا کر رہے ہیں؟‘‘ بچے کی ماں نے سوچتے ہوئے خود سے سوال کیا۔

’’امی! شاید بے چارے بھوکے ہوں۔‘‘ بچے نے معصومیت سے کہا تو نیک دل ماں نے کچھ مچھلیاں اٹھا کر بگلوں کی طرف اچھال دیں۔

’’کسی کی مدد کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔‘‘ ماں نے پیار سے بچے کو سمجھایا۔

وہ دونوں اس منظر کے ساتھ اپنی موت کو قریب سے دیکھ رہے تھے کہ اچانک ہی اڑتی ہوئی چھ سات مچھلیاں ان کے پاس گریں۔ وہ دونوں انھیں دیکھ کر اُچھل ہی پڑے۔

’’اوہ، اتنی ساری مچھلیاں!‘‘ بونی خوشی سے چلایا۔ سونی کی کچھ میں سمجھ نہ آیا۔ وہ حیرت سے کبھی مچھلیوں کو دیکھتی اور کبھی آسمان کو۔ بونی نے بے صبری سے مچھلی کھاتے ہوئے سونی کی جانب مچھلی بڑھائی۔ کھانا ملتے ہی بونی ناراضی بھول چکا تھا۔

’’دیکھا، میں نے نیک نیتی سے اس مچھلی کو چھوڑا اور اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی۔‘‘

سونی نے خوشی سے کہا۔ وہ دونوں مزے سے مچھلیاں کھانے

لگے۔ نیکی کا صلہ اللہ تعالیٰ نے سونی کو دے دیا تھا۔ بچہ ان دونوں کو مچھلیاں کھاتا دیکھ کر خوشی سے اُچھلنے لگا۔

''امی! اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوں گے نا!؟'' بچے نے پوچھا۔

''اللہ پاک ہر نیکی سے خوش ہوتے ہیں۔ وہ نیکی چاہے انسانوں کے ساتھ کی جائے یا پرندوں کے ساتھ۔ نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔'' ماں نے پیار سے اسے سمجھایا۔

''میں بھی بہت ساری نیکیاں کروں گا۔'' بچے نے کہا اور مچھلیاں بھوننے کے لیے ماں کے ساتھ آگ کی جانب بڑھ گیا۔

بونی کے کانوں میں ماں اور بچے کی ساری آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر سونی سے معافی مانگی۔

''مجھے معاف کر دیں۔'' بونی نے شرمندگی سے کہا۔

''کوئی بات نہیں میرے بھائی! ایک بات یاد رکھنا، نیکی کبھی دریا میں نہیں جاتی۔ نیکی کا صلہ اس وقت اگر نہ ملے تو نیکیاں جمع ہوتے ہوتے دریا بن جاتی ہیں، پھر مصیبت کے صحرا میں وہ نیکیوں کا دریا ہمارے ضرور کام آتا ہے۔'' سونی نے اسے پیار سے سمجھایا۔

''نیکی کر دریا میں ڈال، بل کہ آئندہ میں کہوں گا: نیکی کرو، دریا بناؤ۔'' بونی نے ہنستے ہوئے کہا، سونی بھی اس کی بات پر مسکرانے لگی۔

اندھیرا ہر طرف پھیل رہا تھا وہ دونوں جلدی سے باقی رہ جانے والی مچھلیاں اپنی چونچ میں دبا کر اپنے گھر کی جانب اُڑ گئے۔

پھل دار درخت اور پتھر

صباء جاوید۔ مظفر گڑھ

وہ کافی پریشان لگ رہا تھا۔

میرے ٹٹولنے پر کہنے لگا:

یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ وہ لوگ جو کسی کی مالی یا اخلاقی مدد تک نہیں کرتے، انھیں کوئی کچھ نہیں کہتا، جب کہ دوسری طرف میں جو پوری زندگی اپنے خاندان والوں کے لیے کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش میں لگا رہا، لیکن ہمیشہ اخلاقی یا مالی مدد میں پیش پیش ہونے کے باوجود پورے خاندان کی طرف سے باتیں بھی ہمیشہ مجھے ہی سننے کو ملیں۔ میں جو ہر ایک کے کندھے سے کندھا جوڑ کر کھڑا ہوتا تھا، آج مجھ پر جھوٹے الزامات کے باوجود کوئی میری اخلاقی مدد کو نہ آیا۔''

یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

میں نے کچھ دیر اُسے رونے دیا کہ رونے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، پھر اُس سے پوچھا:

''کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ لوگ ہمیشہ پھل دار درخت پر پتھر کیوں مارتے ہیں اور کیکر کے درخت پر پتھر کیوں نہیں پھینکتے؟''

''ظاہر ہے، پھل دار درخت پر پھل ہے اور کیکر پر سوائے کانٹوں کے کچھ نہیں۔'' وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

''بس یہی بات میں تمھیں سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ جہاں پھل ہوگا پتھر بھی وہیں آئیں گے۔

اچھے کاموں کی جزا صرف اللہ دیتا ہے، انسان نہیں، اس لیے لوگوں سے توقعات رکھنا چھوڑ دو اور ''نیکی کر دریا میں ڈال'' والی ضرب المثل پلو سے باندھنے کے ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کو نظر انداز کرنا بھی سیکھو۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

اس نے چونک کر مجھے دیکھا، اپنے آنسو پونچھے اور میرا شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

۹۔ حکیم بن مقنع

اپنے تجربات میں مشغول رہنے کی وجہ سے اس کی توجہ اپنی صحت کی طرف سے بالکل ہی ہٹ گئی۔ آہستہ آہستہ اس کی صحت بگڑنے لگی، یہاں تک کہ وہ بیمار ہو کر بستر سے لگ گیا۔ اسے چیچک کی بیماری ہوگئی تھی۔

اس زمانے میں چیچک کا مرض جان لیوا ثابت ہوتا تھا۔ اس مرض سے بہت ہی کم لوگ تن درست ہو پاتے تھے۔

وہ چوں کہ علم کیمیا حاصل کر رہا تھا، اس لیے اس نے سوچا کہ وہ اپنی بیماری کا خود ہی علاج کرے۔ سو وہ اپنی کچھ طبیعت بہتر ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

چند دِن میں اس کی طبیعت کچھ بہتر ہوگئی۔ اس نے دیکھا کہ اس اثنا میں اس کی بدصورت شکل اور بدصورت ہوگئی ہے۔ یہی نہیں، سونے پر سہاگا یہ کہ بدصورت چہرے پر چیچک کے نشان بھی پیدا ہوگئے ہیں، لیکن اس نے ہمت کی اور نت نئے تجربات میں اپنا سر کھپانے لگا، یہاں تک کہ اس نے ایک دوا تیار کر لی۔ اس دوا کے تیار ہوتے ہی اس نے خود سے کہا:

''میں اپنے تجربے میں کام یاب ہوگیا ہوں۔''

اس نے اپنی بنائی ہوئی دوا کو اِستعمال کیا۔ اسے محسوس ہوا کہ اس دوا سے اسے کافی افاقہ ہوا ہے۔ جلد ہی اس نے چیچک کے جان لیوا مرض سے چھٹکارا حاصل کر لیا، لیکن اس تجربے سے اس کی بدصورتی کو ''چار چاند'' لگ گئے۔ حکیم ابن مقنع نے سوچا: جان ہے تو جہان ہے، اس لیے اس نے اپنی بدصورتی کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی اور اپنے تجربات میں پہلے سے زیادہ توجہ سے مشغول ہو گیا۔

پہلے پہل تو وہ لوگوں سے میل جول کرتا رہتا تھا، لیکن چیچک کے مرض سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد اُس نے بالکل ہی لوگوں سے ملنا جلنا بند کر دیا۔ لوگوں کو بھی اس بات کی پروا نہیں تھی کہ وہ کیا کرتا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟

علم طب اور علم کیمیا میں مہارت حاصل کرنے کے بعد حکیم بن مقنع نے ہپناٹزم میں مہارت حاصل کرنی شروع کی۔ ہپناٹزم میں مہارت حاصل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ لوگ اس کے پاس آنا جانا تو پسند کرتے نہیں تھے، اس لیے اس نے ہپناٹزم کے ذریعے لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھائی کہ وہ اس سے دوستی کریں اور اِس دوستی میں اس کے بدصورت چہرے کو نظر انداز کر کے اس کی قابلیت کو دیکھیں، چناں چہ اس فن کے ذریعے اس نے چند لوگوں کو اپنا با اعتماد ساتھی بنا لیا۔ اب یہ لوگ بھی اس کے ساتھ مل کر کام کرتے اور اُس کے ساتھ مل کر مختلف قسم کی ایجادات کرتے۔ اس طرح اس کے اندر بہت ہی زیادہ اعتماد آ گیا۔ یہ اعتماد حکیم بن مقنع کے لیے آبِ حیات ثابت ہوا۔

حکیم بن مقنع نے اس کے بعد تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے

بارے میں معلومات حاصل کیں۔ جس زمانے میں وہ انبیا علیہم السلام کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا، اسی زمانے میں اس نے اپنے پاس دولت بھی اکٹھی کرنی شروع کر دی۔ دولت اکٹھی کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ جلد از جلد اپنا آبائی علاقہ چھوڑ کر کسی ایسے علاقے میں جانا چاہتا تھا جہاں اسے کوئی نہ جانتا ہو۔

وہ دولت کیسے اکٹھی کر رہا تھا؟ اس بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ہپناٹزم کے ذریعے سے لوگوں سے رقم حاصل کرتا ہو اور اُسے اپنے پاس جمع کرتا رہتا ہو۔

حکیم بن مقنع اپنی کوششوں سے اگرچہ کافی پُر اعتماد ہو چکا تھا، لیکن اس کی بدصورتی اب بھی اس کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ اپنی اس بدصورتی کو چھپانے کے لیے اس نے ایک خوب صورت سا نقاب تیار کیا۔ یہ نقاب سنہری رنگ کا تھا اور سونے کے تاروں کا بنا ہوا تھا۔ وہ چوں کہ دولت پہلے ہی اکٹھی کر رہا تھا، اس لیے اسے سونے اور ریشم کے تار حاصل کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ اس نقاب میں ریشمی اور طلائی تار بھی لگے ہوئے تھے۔ اب اس نے اس نقاب کو پہننا شروع کر دیا۔ اس کے گھر والے اس نقاب کے بارے میں نہیں جانتے تھے۔ وہ اپنے گھر والوں کو تو کیا بتاتا، اس نے اپنے نقاب کے بارے میں اپنے ان ساتھیوں کو بھی نہیں بتایا تھا جو اُس کے ساتھ کام میں اس کی مدد کیا کرتے تھے۔

نقاب تیار کرنے کے بعد حکیم بن مقنع نے اپنے علاقے سے دور ایک علاقہ منتخب کیا۔ ایک ایسا علاقہ جہاں اسے کوئی نہیں جانتا ہو۔ اس نے کافی سوچ بچار کے بعد ''کش'' کا علاقہ منتخب کیا۔ وہاں اسے کوئی جانتا پہچانتا نہیں تھا۔

ویسے بھی حکیم بن مقنع ایک گاؤں سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ اپنے گاؤں میں ہی اتنا تنہائی پسند تھا کہ اس کے گھر والے بھی اس کی فکر نہیں کرتے تھے کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟ تو اُس کے باقی گاؤں والے اسے کیسے یاد رکھتے؟ مطلب یہ کہ اس کے تو قریبی لوگ بھی اسے کبھی کبھار ہی دیکھ پاتے تھے تو اپنے گاؤں سے باہر تو وہ بالکل ہی اجنبی تھا۔

کش کے علاقے میں اس نے ایک قلعہ خرید لیا، پھر آہستہ آہستہ تجربات کے ذریعے کی ہوئی اپنی ایجادات وہاں منتقل کرنے لگا، یہاں تک کہ ایک روز اُس نے اپنی آخری ایجاد بھی لی اور وہاں سے ہجرت کر کے کش کے قلعے میں آ گیا۔

حکیم بن مقنع نے اپنی اس ہجرت کو مکمل راز رکھا۔ اس نے اپنے گھر والوں کو بھی اس بارے میں نہیں بتایا کہ وہ کہاں جا رہا ہے، بل کہ اس نے اپنے گھر والوں کو اپنے گھر چھوڑنے کے بارے میں بھی نہیں بتایا تھا۔

جب وہ قلعے میں آیا تو وہاں اس نے مقامی لوگوں کو اپنا خدمت گار مقرر کیا۔ یہ مقامی لوگ اس کی خدمت کے لیے کم اور لوگوں میں اسے مشہور کرنے کے لیے زیادہ کوشش کرتے تھے اور یہی حکیم بن مقنع کی چال تھی۔

اب حکیم بن مقنع نے خود کو ''خدا'' کہلوانا شروع کر دیا۔ اس کے خدمت گار، کش قلعے سے نکل کر عوام میں جاتے اور بتاتے کہ ہم خدا کے خدمت گار ہیں۔ کچھ لوگ ان باتوں کو توجہ سے سنتے اور اِس بارے میں تجسس کرتے، جب کہ کچھ لوگ اس بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے۔

آہستہ آہستہ یہ بات پورے کش میں پھیل گئی کہ کش قلعے کا مالک اپنے آپ کو خدا کہتا ہے۔

لوگ تعجب سے کش قلعے میں اس شخص سے ملنے کے لیے جاتے۔ وہاں ان کی خوب خاطر داری کی جاتی، لیکن کش قلعے کے حاکم اور خدائی کے دعوے دار سے ملاقات نہ ہوتی۔ لوگ وہاں پر اُس کا انتظار کرنے کے بعد تھک ہار کر واپس چلے جاتے۔

ایک دن قلعے میں اعلان کیا گیا:

''فلاں روز کش قلعے میں موجود خدا اپنی زیارت کروائے گا، تمام لوگ اس دن خدا کو دیکھنے کے لیے اکٹھے ہو جائیں۔'' (نعوذ باللہ!)

......(جاری ہے)......

پھندا

عمارہ فہیم۔ کراچی

آج بچوں کی چھٹیوں کو تین دن گزر چکے تھے اور سب بچے بہت دل جمعی سے ہر چیز کو سمجھ کر اُس پر عمل کرنے کے ساتھ اسے دوسروں تک پہنچانے کا کام بھی بخوبی پورا کر رہے تھے، اسی خوشی میں چچا رازی نے سب بچوں کی آج دعوت رکھی تھی۔

دعوت کا سننا تھا کہ بچوں کے فرمائشی پروگرام شروع ہو گئے۔

''چچا! مجھے بریانی پسند ہے، وہ بھی تیز مسالے کی۔'' گولو عمر نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو پیزا پسند ہے۔'' چھوٹو زین نے چٹخارے لیتے ہوئے کہا۔

''اور آئس کریم فالودہ بھی ہو تو مزہ ہی آ جائے گا۔'' سعد نے بھی ہونٹوں پر زبان پھیری۔

چچا رازی بہت نرم مزاج اور بچوں سے بہت محبت کرنے والی شخصیت تھے، کیوں کہ انھیں معلوم تھا کہ آپ ﷺ نے چھوٹوں پر شفقت کرنے کا حکم فرمایا ہے اور آپ علیہ السلام بچوں سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔

چچا رازی کی ایک بیٹی تھی، جو شادی کے بعد بہت دور رہتی تھی۔ چچا اکیلے رہتے تھے، اس لیے وہ سب بچوں سے بہت پیار کرتے تھے اور بچے بھی ان سے ہر بات بغیر ڈرے کہہ دیا کرتے تھے۔

''ایسا لگ رہا ہے جیسے ہم کسی ریستوران میں آئے ہوئے ہیں۔''

چچا رازی نے ہائیڈروجن کی بوتل کو سنبھال کر الماری میں رکھتے ہوئے کہا تو بچے کھی کھی کرنے لگے۔

کچھ ہی دیر میں چچا رازی کا منگوایا ہوا کھانا اور بچوں کے والد صاحبان پہنچ چکے تھے۔ کھانے کا دسترخوان بچھایا گیا، بریانی، پیزا اور کھیر کو دو حصوں میں رکھا گیا، تاکہ سب کا ہاتھ آرام سے پہنچ سکے۔

دسترخوان لگتے ہی سب جلدی جلدی بیٹھ گئے، اچانک چھوٹو زین کو بہت زور کا پھندا لگ گیا کہ اس سے سانس بھی نہیں لیا جا رہا تھا۔

چچا رازی نے اس کا سر اُونچا کروا کر پیچھے کندھے اور گردن کے درمیان ہلکے ہاتھ سے تھپتھپایا اور

بسم اللہ پڑھ کر پانی پلایا تو اُسے الٹی ہوگئی، اس کے بعد اُس کا سانس کچھ بحال ہوا تو اُسے ایک جگہ آرام سے لٹا دیا گیا۔

”کیا ہوا زین!؟ اب تم کیسے ہو؟“ فہد نے پوچھا۔

”کیا ہوا کیا مطلب! جب اتنی جلدی جلدی کھاؤ گے کہ تو ایسا تو ہوگا نا! تم تو ایسے کھا رہے تھے جیسے کوئی پیچھے لگا ہو۔“ گولو عمر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

ابھی سب بچے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے کہ چچا رازی کی آواز سنائی دی:

”بُری بات، کسی کو اِلزام نہیں دیتے۔ بچو! جس طرح ہم نے سیکھا تھا کہ بیت الخلا جانے اور وہاں سے واپس آنے کے کچھ اصول ہیں، اسی طرح کھانا کھانے اور پانی پینے کے بھی کچھ اصول ہیں، جن پر عمل کر کے اگر ہم کھانا کھائیں گے تو ہمیں ثواب بھی ملے گا اور ہماری صحت بھی اچھی ہوگی۔“

سب بچے اور بڑے، چچا رازی کی طرف متوجہ تھے۔

”اور وہ اصول کیا ہیں چچا جان!؟ آپ ہمیں بھی تو بتائیں۔“

احمد جو کافی دیر سے خاموش تھا، اس نے اپنی خاموشی توڑی۔

”ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث مبارکہ میں کھانے کے آداب مذکور ہیں، جن کا خلاصہ اور مفہوم یہ ہے۔

☆ کھانا سیدھے ہاتھ سے ☆ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ☆ اپنے آگے سے کھانا چاہیے۔ ☆ لقمے کو اچھی طرح چبانا چاہیے۔

اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائیں تو یاد آنے پر بسم اللہ اولہ واخرہ پڑھ لینا چاہیے اور کھانے کے بعد یہ دعا الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین پڑھنی چاہیے۔ اسی طرح پانی بیٹھ کر، تین سانس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر پینا چاہیے اور پانی پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرنا چاہیے۔“

”کھانا کھاتے ہوئے اتنی ساری چیزوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے!؟“ سعد کے لہجے میں حیرت تھی۔

”جی بچو! یہ تو سب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی سنتیں ہیں، مگر کیا آپ جانتے ہیں، اس سے ہمیں دنیاوی فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں، اور وہ کیا ہیں؟“ چچا رازی نے ایک نظر سب بچوں کو دیکھ کر سوال کیا۔

”نہیں معلوم!“ گولو عمر کی آواز سنائی دی۔

”ہمیں تو کھانے کے یہ آداب بھی معلوم نہیں تھے جو آپ نے بتائے۔“ احمد کا منہ لٹکا ہوا تھا۔

”پیارے بچو! منہ لٹکانے اور اَفسردہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ سب بہت پیارے بچے ہیں، تبھی تو جاننا چاہتے ہیں کہ آخر اِن میں کیا فائدے ہیں۔ یہ جو ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہیں......“

”جی، اس سے ہر کام میں برکت ہوتی ہے اور کھانے میں بھی برکت آجاتی ہے۔“ گولو عمر نے جلدی جلدی کہا تو چچا رازی مسکرائے اور عمر کو شاباشی کے ساتھ ایک چاکلیٹ بھی دی، کیوں کہ اس نے صحیح بتایا تھا۔

”جی بچو! بسم اللہ پڑھنے سے برکت ہوتی ہے اور جو ہم آرام آرام سے پورا لقمہ اچھی طرح چبا کر کھاتے ہیں نا، یہ اس لیے کہ اگر ہم بغیر چبائے کھائیں گے تو ہمارے پیٹ میں کھانا پیسنے کے لیے ایک مشین ہے، جسے معدہ کہتے ہیں، وہ کھانے کو قیمہ پیسنے کی مشین کی طرح پیستا ہے، لیکن کوئی بھی مشین ہو، اگر اُس پر بہت بوجھ ڈالا جائے تو کیا وہ خراب نہیں ہوگی؟“

”جی چچا جان! ہوجائے گی۔“ سعد نے جواب دیا۔

”جی بیٹے! وہ خراب ہوجائے گی، اسی طرح جب ہم جلدی جلدی کھانا کھاتے ہیں تو معدہ پریشان ہوجاتا ہے اور پھر اُس کے کام کرنے کی رفتار سست ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے درد بھی ہوتا ہے۔

پانی جو تین سانس میں بیٹھ کر پینا چاہیے تو وہ اس لیے کہ ایک ہی سانس میں پانی اگر پییں گے تو پھندا لگ سکتا ہے، سانس کی نالی میں بھی پانی جاسکتا ہے اور یہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔ سائنس کہتی ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے سے گھٹنے کی تکلیف ہوجاتی ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 41 پر

میں کیسے بھول جاؤں!
محمد شریف شیوہ۔ لاہور
ماں باپ نے ہے پالا استاد نے سنبھالا
تقدیر نے نرالا مجھ کو دیا اُجالا
میں کیسے بھول جاؤں
ممتا ہے جیسی ''ماں'' میں نعمت نہیں جہاں میں
تسکیں تھی جس سے جاں میں تھا جس کے سائباں میں
میں کیسے بھول جاؤں
تھی پیار کا سمندر خوش مجھ کو رکھتی اکثر
رکھتی جب ہاتھ سر پر تن جاتی چھاؤں مجھ پر
میں کیسے بھول جاؤں
جب مجھ کو چومتی تھی راحت سے جھومتی تھی
رقصاں وہ گھومتی تھی رہ رہ کے چومتی تھی
میں کیسے بھول جاؤں
اس کا مجھے اٹھانا ہنس ہنس کے لوری گانا
تتلا کے کھلکھلانا بچپن کا وہ زمانہ
میں کیسے بھول جاؤں
چلنا مجھے سکھایا جب بھی گِرا اٹھایا
رہتی تھی بن کے سایہ ماں تھی بلند پایہ
میں کیسے بھول جاؤں

ریان کا دانت

شہزادی ہدیٰ انجم۔سعودی عرب

''ریان بیٹا! آپ نے آج بھی دانت صاف نہیں کیے، بہت بُری بات ہے۔ چلیے، پہلے دانت صاف کیجیے، پھر ناشتا کرنے کے لیے آیئے۔'' ربیعہ بیگم نے اپنے چھے سالہ بیٹے ریان سے کہا۔

''امی! ابھی نہیں، ناشتے کے بعد کرلوں گا۔'' ریان نے منہ بناتے ہوئے کہا اور ناشتا کرنے لگا۔

''روزانہ یہی کہتے ہیں آپ، لیکن بعد میں بھی نہیں کرتے۔'' ربیعہ بیگم نے اس کو ڈبل روٹی کھاتے دیکھ کر کہا۔

''امی! آج کروں گا، پکا والا وعدہ!'' ریان نے ڈبل روٹی پلیٹ میں رکھی اور ربیعہ بیگم کی طرف ہاتھ بڑھا کر وعدہ کیا۔

ریان چھے سال کا پیارا سا ہنس مکھ اور گول مٹول سا بچہ تھا۔ وہ ہر لحاظ سے اچھا بچہ تھا، اپنے تمام کام وقت پر کرتا، سب کا کہا مانتا، چھوٹی بہن کا خیال رکھتا۔ اسکول میں بھی وہ سب اساتذہ کا لاڈلا طالب علم تھا، لیکن اس کی ایک بُری

عادت تھی، وہ صبح اسکول جانے کی جلدی میں اور رات کو نیند آنے کی وجہ سے دانت صاف نہیں کرتا تھا۔ اسے ٹافیاں، چیونگم اور آئس کریم بہت پسند تھی۔ انھیں کھانے کے بعد بھی وہ دانت صاف نہیں کرتا تھا، جس کی وجہ سے اس کے پیچھے والے دانتوں میں سے ایک دانت میں کیڑا لگ چکا تھا اور اَب تو اُس کا ایک دودھ کا دانت بھی ٹوٹنے والا تھا، جس کی وجہ سے وہ روز اَمی جان کے کہنے کے باوجود دَانت صاف نہیں کر پاتا تھا۔

آج اتوار کا دِن تھا اور اِسکول چھٹی تھی، لیکن وہ بغیر دانت صاف کیے ناشتا کرنے آ گیا۔ امی جان نے اسے دانت صاف کرنے کا کہا۔ وہ ابھی برش کے ذریعے دانت صاف کر ہی رہا تھا کہ اچانک اس کا دانت ٹوٹ گیا۔ اس کی چیخ سے بابا جان اور اَمی جان، دونوں ہی بھاگے آئے۔

''میرا دانت!''

ریان نے روتے ہوئے ٹوٹا ہوا دانت ابا جان کو دکھایا۔ وہ دونوں مسکرانے لگے۔

''اس میں رونے والی کوئی بات نہیں بیٹا! اس کی جگہ ایک نیا اور مضبوط دانت آئے گا، جو نہیں ٹوٹے گا۔'' بابا جان نے اسے پیار کیا۔

ربیعہ بیگم نے اس کا ٹوٹا ہوا دانت لے کر پھینک دیا۔

ریان بہت خوش تھا کہ اب اس کے دانت بھی مضبوط ہوں گے، ریان کو اُن کے ٹوٹنے کی تکلیف دوبارہ نہیں ہوگی، مگر وہ تو دانت صاف ہی نہیں کرتا تھا۔ اس کا دانت ٹوٹے ایک ماہ ہو چکا تھا اور نیا دانت نہیں نکل رہا تھا۔

ریان نے ٹوٹے ہوئے دانت کی شرمندگی کی وجہ سے مسکرانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ کبھی کبھی ریان کو زبان لگانے پر دانت کا ایک کنارا نکلتا محسوس ہوتا، مگر فوراً ہی خالی مسوڑھا لگنے لگتا۔

......☆......

''پیلے بھائی! مجھے باہر نکلنے سے بہت ڈر لگتا ہے۔''

اس کا نیا دانت مسوڑھے کے اندر ہی سے

باہر دودھ کے دانت سے گفتگو کرنے لگا، جس کا رنگ پیلا ہو چکا تھا۔ اس نے افسردگی سے نئے دانت کی آواز سنی۔

’’ریان اپنے دانت صاف نہیں کرتا، وہ اپنے دانتوں کا بالکل خیال نہیں رکھتا۔ اگر میں باہر نکل آیا تو وہ مجھے بھی تمھاری طرح پیلا کر دے گا اور مجھے ڈر ہے کہ اگر اُس نے مجھے صاف نہ رکھا تو مجھے کیڑا کھا جائے گا اور مجھے کیڑے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ پیلے بھائی!‘‘ ریان کا نیا دانت، دودھ کے دانت کو اپنے باہر نہ نکلنے کی وجہ بتانے لگا۔

دودھ کا دانت بھی افسردگی سے اس کی بات سنتا رہا، پھر وہ بھی بول پڑا:

’’میری جڑ میں بھی ہر وقت درد رہتا ہے۔ میرا بس چلے تو اُس کے منہ سے نکل کر بھاگ جاؤں اور کبھی واپس نہ آؤں۔‘‘

نیا دانت اپنا ایک کنارہ باہر نکالتا اور جیسے ہی ریان اسے زبان سے چھوتا تو نیا دانت فوراً اپنا کنارا اندر چھپا لیتا۔

ریان کا دوسرا دانت بھی گرنے والا تھا، لیکن پہلے والا دانت نکل ہی نہیں رہا تھا۔ ریان کا مسوڑھا سوج گیا اور اُس میں درد ہونے لگا۔ اس نے ابا جان کو بتایا کہ وہ اپنے سوجے ہوئے مسوڑھے کی وجہ سے کچھ کھا پی بھی نہیں سکتا۔

ریان سخت تکلیف میں مبتلا تھا۔ اس کے ابا جان اسے دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کے دانت کو اچھی طرح چیک کیا۔ انھوں نے بتایا کہ دانت صاف نہ کرنے کی وجہ سے اس کے سب دانت ناراض ہیں اور ایک دانت کو تو کیڑا ابھی کھا گیا ہے۔ اگر وہ اپنے دانت صاف نہیں رکھے گا تو مضبوط دانت بھی اس کا زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دے سکیں گے، اس لیے اسے مضبوط دانتوں کا خاص خیال رکھنا ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب کی بات سن کر ریان ڈر گیا اور کچھ سوچنے لگا۔

ریان کو جلد ہی دانتوں کی اہمیت کا احساس ہو گیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ اپنے دانتوں کو صاف رکھے گا۔

مسوڑھے کے اندر دانت بھی ریان کے وعدے سے خوش ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے دوا دِی اور ریان، ابو کے ساتھ واپس گھر آ گیا۔ اس نے رات کو

سونے سے پہلے اچھی طرح دانت صاف کیے اور سو گیا۔

صبح اس نے شیشے میں دیکھا تو اُسے اپنے نئے دانت کے چھوٹے چھوٹے تین چمک دار اور جگ مگاتے کنارے نظر آئے۔

وہ خوشی سے مسکرا دیا:

''میرے پیارے دانت! میں تمھیں ہمیشہ صاف رکھوں گا۔''

اس نے دانتوں سے وعدہ کیا اور ناشتے کی میز کی طرف بڑھ گیا۔

سرکہ

سعد علی چھیپا۔ کراچی
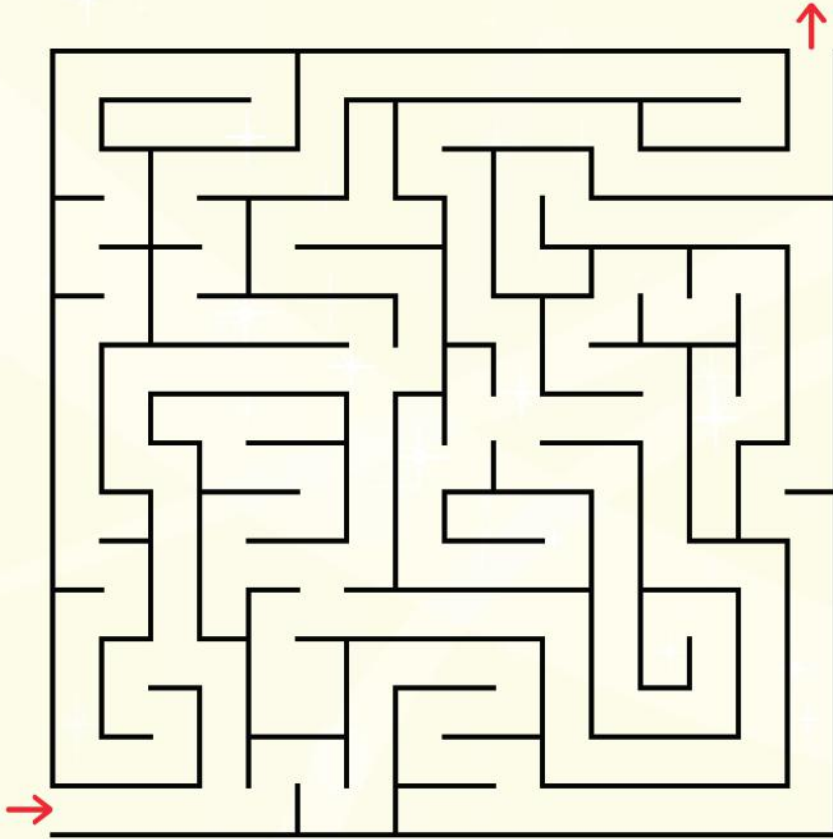
حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سرکہ بھی کیسا بہترین سالن ہے!''

(ترمذی شریف)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور فرمایا: ''کیا تمھارے پاس کھانے کے لیے کوئی چیز ہے؟''

میں نے عرض کیا: ''سوکھی روٹی اور سرکے کے سوا کچھ نہیں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وہی لے آؤ، وہ گھر سالن سے خالی نہیں جس گھر میں سرکہ ہو۔'' (شمائل ترمذی)

سرکہ ایک تیزابی مادہ ہوتا ہے۔ اسے انگور، گنا، جامن، سیب وغیرہ میں سے کسی کو برتن میں رکھ کر دھوپ میں رکھ کر بھی تیار کیا جاسکتا ہے۔ طب اسلامی وغیرہ میں اسے فائدہ مند سمجھا جاتا ہے۔

''سرکے'' کے دیگر فوائد:

☆ سرکہ، وبائی امراض کے خلاف مدافعت پیدا کرتا ہے، یعنی جراثیم کے خلاف بھی کام کرتا ہے۔

☆ سرکہ پیاس کو کم کرتا ہے۔

☆ سرکے سے گلے کی بیماری کی روک تھام میں مدد مل سکتی ہے۔

☆ سرکہ دل کی جملہ بیماریوں کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔

☆ سرکے میں پکائے ہوئے گوشت کو یرقان میں مفید سمجھا جاتا ہے۔

☆ سرکہ پیٹ کے امراض میں مفید ہے۔ سرکہ سو بیماریوں کی جڑ قبض کی شکایت کو بھی دور کرتا ہے۔

☆ سرکے کو سَر کے بالوں میں دیگر کچھ اشیا کے ساتھ ملا کر لگانے سے گرتے ہوئے بال اُگ آتے ہیں۔ سرکے کی تیزابیت سر کی سطح میں تبدیلیاں لا کر خشکی کو دور کرتی ہے۔

☆ خارش کی شکار جلد کے لیے بھی سرکہ فائدہ مند ہے۔ سرکے میں موجود اَجزا، خارش زدہ جلد کو سکون پہنچانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

☆ سرکہ جسمانی وزن میں کمی کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔ اس کے باقاعدگی کے استعمال سے پیٹ کی چربی ختم ہوتی ہے۔

☆ سرکے کا استعمال خون میں منفی کولیسٹرول اور شوگر کی زیادتی کو بھی متوازن بناتا ہے۔

''آپ کی بیٹی کبھی بھی اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکے گی، یہ معذروں والی گاڑی (وہیل چیئر) اس کی زندگی کا حصہ ہوگی۔ یہ قدرتی طور پر اِس معذوری کے ساتھ پیدا ہوئی ہے اور اِس کا حل علمِ طب (میڈیکل سائنس) میں نہیں ہے۔''

ڈاکٹرنی کی بات سن کر ماہ نور کے والدین پر صدموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، لیکن کچھ عرصے کے بعد آخر کار وہ اپنے رب کی رضا پر راضی ہو ہی گئے۔ پہلے پہل وہ ماہ نور کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، سارا سارا دِن اس کی امی اس سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتی رہتیں، تا کہ اس کا دل بہلا رہے، لیکن ماہ نور کے بھائی بہن کی آمد کی بعد وہ ماہ نور کو زیادہ وقت نہیں دے پاتی تھیں۔ ماہ نور یہ چیز بہت زیادہ محسوس کرنے لگی اور اُس نے سب سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے آپ کو صرف اپنے کمرے تک محدود کر لیا۔

اب جب کبھی اس کی امی اس سے بات کرنا چاہتیں تو وہ رونا شروع کر دیتی۔ کھانا کھانے کے لیے بھی اپنے کمرے سے باہر نہ آتی اور نہ ہی اسکول جاتی۔ اس کے والدین نے اس کے لیے کئی کُل وقتی ملازمہ رکھیں، لیکن ہر ملازمہ چند دِن میں ماہ نور سے بے زار ہو کر چلی جاتی۔

''مجھے لگتا ہے بیگم! اب ماہ نور کو کسی نفسیاتی ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑے گا۔''

ماہ نور کے والد کی بات سن کر ماہ نور کی امی غصے میں آ گئیں۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ!؟ کیا میری بیٹی آپ کو پاگل لگتی ہے۔ میں نے اپنی سہیلی سے بات کی ہے، وہ کل جویریہ نامی کسی خاتون کو بھیجے گی۔ مس جویریہ اپنے کام میں ماہر ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ ماہ نور کو دوبارہ مسکرانا سکھا دیں گی۔''

......☆......

''کیسی ہو ماہ نور!؟''

مس جویریہ نے سلام کرنے کے بعد مسکراتے ہوئے پوچھا۔

ماہ نور نے مس جویریہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

''بہت خوب!'' مس جویریہ نے پُرجوش انداز میں کہا۔

''کیا ہوا؟!''

ماہ نور، مس جویریہ کے ''بہت خوب!'' پر چونکی۔

''دیکھو ماہ نور! میں اور تم ایک جیسے ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' ماہ نور نے تجسس سے پوچھا۔

''دیکھو، میں بیساکھی کے سہارے چلتی ہوں اور تم اس گاڑی کے ذریعے۔''

مس جویریہ کو مسکراتا دیکھ کر ماہ نور کو جھٹکا لگا۔

''آپ کو افسوس نہیں ہوتا کہ آپ دوسرے لوگوں کی طرح چل پھر نہیں سکتیں۔''

''کس نے کہا کہ میں چل نہیں سکتی! اگر میں چل نہ سکتی تو کیا آج میں یہاں تمھارے سامنے موجود ہوتی؟ بس لوگ جس طرح گاڑی یا موٹر سائیکل پر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں میں اس بیساکھی کے ذریعے جاتی ہوں۔''

ماہ نور، مس جویریہ کی باتیں سن کر حیران ہوگئی۔

''ویسے تم صرف باتیں ہی کروگی یا کچھ کھانے کا بھی پوچھوگی؟''

ان کی یہ بات سن کر ماہ نور مسکرائی۔

آہستہ آہستہ ماہ نور، مس جویریہ سے قریب ہونے لگی۔

''تمھارا اس کمرے سے باہر نکلنے کا دل نہیں چاہتا ماہ نور!؟''

''دل تو چاہتا ہے، لیکن سب مجھے عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں، ترس بھری نظروں سے۔'' ماہ نور نے اداسی سے کہا۔

''کیوں کہ تم خود سب کو اپنے آپ پر ترس کھانے کا موقع دیتی ہو۔ ماہ نور! تم افسردہ اور رونی شکل بنا کر بیٹھوگی، کسی سے بات نہیں کروگی تو سب تم پر رحم ہی کھائیں گے نا!''

ماہ نور ایک عرصے بعد مس جویریہ کے ساتھ باہر آئی۔ اسے کھلی فضا میں سانس لے کر بہت سکون مل رہا تھا۔ کھلتے پھول، چہچہاتے پرندے، رنگ برنگی تتلیاں اور مختلف قسم کے لوگوں کو دیکھ کر اُسے دلی خوشی مل رہی تھی۔

''اب ہم کہاں جارہے ہیں مس جویریہ!؟''

''دوسری دنیا میں۔''

''دوسری دنیا!''

ماہ نور بہت پُرجوش تھی، دوسری دنیا میں جانے کے لیے۔

یہ ایک بہت بڑا اِسکول تھا۔ یہاں سب بچے لاٹھی کی مدد سے چل رہے تھے۔

''مس جویریہ! ان کے تو دونوں پیر بالکل ٹھیک ہیں، پھر کیوں یہ لوگ لاٹھی سے چل رہے ہیں۔''

''ماہ نور! اس لاٹھی سے وہ اپنی سمت کا اندازہ لگاتے ہیں۔''

''میں سمجھی نہیں مس جویریہ!''

''ماہ نور! یہ انہماک سے پڑھتے ہوئے اور دل جمعی سے کام کرتے ہوئے سب بچے بینائی سے محروم ہیں، ان کے لیے یہ دنیا ایک سیاہ رات کے سوا کچھ بھی نہیں۔''

ماہ نور کو اُن بچوں کی حقیقت جان کر گہرا صدمہ پہنچا۔

''مس جویریہ! یہ اتنی بڑی نعمت سے محروم ہیں، پھر بھی ان کے چہروں پر اِس قدر گہرا سکون کیسے؟''

''چلو، انھی سے پوچھتے ہیں۔''

مس جویریہ نے ایک بچی سے سوال کیا:

''آپ کو کبھی رنج ہوتا ہے کہ آپ اتنی حسین دنیا کو دیکھ نہیں پاتیں، کبھی اپنے رب سے شکوہ نہیں کرتیں کہ اس نے آپ کو نامکمل کیوں بنایا، اتنی بڑی نعمت سے محروم کیوں رکھا؟''

وہ لڑکی مسکرانے لگی:

''بندے، آقا سے سوال نہیں کرتے، بس اس کی ہر بات کو تسلیم کرتے ہیں، اور پھر آقا بھی وہ جو اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔''

ماہ نور اُس بچی کا جواب سن کر اپنے رویے پر شرمندہ ہوئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مس جویریہ نے اسے تسلی دی:

''ماہ نور! تمھیں یہاں لانے کا میرا مقصد ہی یہ تھا کہ تمھیں احساس ہو کہ تم کتنوں سے بہتر ہو، لیکن اپنے آپ کو دوسروں سے حقیر سمجھنا، یہ صرف تمھارا مسئلہ نہیں ہے، بل کہ ہر دوسرے انسان کو اپنے رب سے کوئی نہ کوئی شکایت ہے، اور یہ اس لیے کہ ہم اس کی عطا کردہ نعمتوں سے زیادہ اس کی نہ دی ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔''

''لیکن اب میں ایسا نہیں کروں گی مس جویریہ!''

''تو پھر چلیں ایک اچھے اسکول میں آپ کا داخلہ کروانے؟''

''جی ضرور!'' ماہ نور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

شگفتہ پارے

قارئین

☆ اخلاقیات کا دورانیہ تھا۔ جھوٹ کے موضوع پر درس دینے کے بعد استاد صاحب نے طلبہ سے پوچھا:

''آپ میں سے کس کس نے اس کتاب کا نواں باب پڑھا ہے؟''

پوری جماعت نے اپنے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ یہ دیکھ کر اُستاد صاحب نے کہا:

میرے مخاطب بالکل صحیح لوگ ہیں، کیوں کہ اس کتاب میں کل آٹھ باب ہیں۔''

☆ ایک نیا نیا گاڑی سیکھا ہوا شخص ڈرائیونگ لائسنس کے لیے ٹیسٹ دینے گیا۔ واپس آنے پر ایک دوست نے پوچھا:

''ٹیسٹ کیسا رہا؟ تم تو کام یاب ہو گئے ہو گے؟''

''معلوم نہیں۔'' اس شخص نے گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''جب میں ہسپتال سے نکلا تھا تو اُس وقت تک ٹیسٹ لینے والا سپاہی ہوش میں نہیں آیا تھا۔''

(مہدیہ بنت محمد احسن۔ کراچی)

☆ ایک کنجوس کو کسی اچھے کام میں چندہ دینے کے لیے دوستوں نے کہا تو اُس نے فوراً دس لاکھ روپے کا ایک چیک لکھ کر اُن کے حوالے کر دیا۔ سب نے اس کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔

''اس پر دستخط کر دیجیے، تا کہ چیک مکمل ہو جائے۔'' ایک دوست نے کہا۔

کنجوس بولا: ''معاف کیجیے گا، میں نیک کاموں میں ہمیشہ اپنا نام پوشیدہ رکھتا ہوں۔''

☆ مریض: ''ڈاکٹر صاحب! آپ کی فیس کیا ہے؟''

ڈاکٹر: ''پہلی مرتبہ آنے والے کے لیے پچاس روپے، دوبارہ آنے والے کے لیے کوئی فیس نہیں۔''

مریض: ''میں دوسری مرتبہ آیا ہوں۔''

ڈاکٹر: ''ٹھیک ہے، آپ وہی دوا لیتے رہیے جو میں نے پچھلی مرتبہ آپ کے لیے تجویز کی تھی۔''

☆ مرغیوں کی خوراک کے بارے میں تفتیش ہو رہی تھی۔

انسپکٹر (پہلے مالک سے): ''تم مرغیوں کو کیا کھلاتے ہو؟''

مالک: ''سر! باجرا۔''

انسپکٹر: ''غلط چیز، اسے گرفتار کر لو۔''

انسپکٹر (دوسرے مالک سے): ''تم کیا کھلاتے ہو؟''

مالک: ''چاول۔''

انسپکٹر: ''تم بھی غلط ہو۔ اسے بھی گرفتار کر لو۔''

پھر اِنسپکٹر نے تیسرے سے پوچھا تو اُس نے جواب دیا:

''ہم مرغیوں کو دس دس روپے دے دیتے ہیں، اپنی مرضی سے جو چاہیں کھا لیں۔''

(شایان احمد۔ کراچی)

☆ ٹکٹ چیکر (لڑکے سے): ''صرف بارہ سال سے کم عمر بچے ہی آدھے ٹکٹ پر سفر کر سکتے ہیں، تمھاری عمر کتنی ہے؟''

لڑکا: ''بارہ سال سے کچھ کم ہے۔''

ٹکٹ چیکر: ''بارہ سال کب پورے ہوں گے؟''

لڑکا: ''اس گاڑی سے اترنے کے بعد۔''

☆ استاد (شاگرد سے): ''تم رو کیوں رہے ہو؟''

شاگرد: ''اسکول کی گھنٹی ٹوٹ گئی ہے۔''

استاد: ''تو اِس میں رونے کی کیا بات ہے؟''

شاگرد: ''اب ہمیں چھٹی کیسے ملے گی!؟''

(فرخ حسین۔ سکھر)

”عمیر! یہ کیا! تمھارا کمرا اِتنا بے ترتیب کیوں ہے؟“ ساجد نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

”بس، فرصت ہی نہیں ملی کہ اسے درست کر کے رکھوں۔“ عمیر نے لاپروائی سے جواب دیا۔

دونوں دوستوں نے بی۔اے کرنے کے بعد اَب ملازمت شروع کردی تھی۔ عمیر کی لاپرواہی کے سبب ساجد کو کالج میں بھی کوفت ہوتی تھی۔ وہ جب اسے کوئی کاپی یا کتاب دیتا تو عمیر واپس کرنے میں کئی دن لگا دیتا۔ وجہ یہی کہ کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں، مل نہیں رہی۔

ساجد نے سوچا کہ دورِ طلب علمی کے بعد اَب جب کہ ہم دونوں نے عملی زندگی میں قدم رکھ دیا ہے، کہیں ایسی لاپرواہی عمر کے لیے کوئی پریشانی نہ پیدا کردے، اس لیے اس نے اسے سمجھانے کا ارادہ کیا۔

ایک دن موقع پا کر وہ کمرے کی ترتیب صحیح کرنے اور زندگی کے طور طریقوں میں سلیقہ پیدا کرنے کے متعلق سمجھا رہا تھا، مگر وہ عمیر ہی کیا جو اِتنی جلد سمجھ جائے۔

☆

ملک کے اندر ہنگامی صورتِ حال نے سبھی کو پریشان کر رکھا تھا۔ انھی دنوں ایک بڑی شخصیت کو شہید کردیا گیا۔ ذرائع ابلاغ کی مہربانی سے اس قتل کی خبر آناً فاناً ملک اور بیرونِ ملک پہنچ گئی۔ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی بازار بند ہونا شروع ہوگئے۔ عوام میں ایک عجیب قسم کے خوف نے جنم لینا شروع کردیا، کیوں کہ ہر کسی کو خدشہ تھا کہ کہیں یہ قتل کسی بڑے ہنگامے کا سبب نہ بن جائے، پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

کچھ شرپسند عناصر نے پورے ملک کو یرغمال بنالیا۔ سرکاری اور نجی عمارتوں اور دفاتر کو جلایا جانے لگا۔ سرکاری اور نجی گاڑیوں کے ساتھ بھی یہی حشر ہوا۔ خوف اور بے یقینی کی فضا نے پورے ملک کو اندھیروں اور وسوسوں میں ڈبو دیا۔ کچھ بدفطرت لوگوں نے اسکولوں، بینکوں اور دیگر عمارتوں کو جلانا شروع کیا۔ وہ جلانے سے پہلے اس میں موجود رقم اور سامان لوٹ کر لے جاتے تھے۔ یہ سانحہ پورے ملک کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھا۔

عمیر ایک نجی اسکول میں سُپر وائزر تھا۔ اس کی ذاتی چیک بُک دفتر کی دراز میں تھی۔ سانحے والے دن یہ اسکول بھی شرپسندوں کے غصے کی زد

بھولا ہوا سبق

غلام حسین میمن۔ حیدرآباد

میں آیا اور جلا دیا گیا۔ عمیر کو خیال آیا کہ اس کی چیک بُک بھی جل گئی ہوگی۔ اس نے بینک جا کر اِس کی تحریری اطلاع اور نئی چیک بُک کی درخواست دی، جو دو دِن بعد مل گئی۔ چیک بُک گم ہونے کی تحریری اطلاع کی رسید کی نقل پر اُس نے بینک افسر سے وصولی کے دستخط لیے اور مہر بھی لگوالی، تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔ یہ نقل اس نے ذاتی ریکارڈ کے لیے رکھ لی، مگر وہی بے ترتیبی کا عالم!

آج اس پر ایک مصیبت آ گئی تھی اور وہ تحریری اطلاع والی نقل گھر میں کہیں نہیں مل رہی تھی اور نہ ہی دفتر میں موجود تھی۔ اس تحریری رسید میں اس کی رہائی کا پروانہ تھا اور وہ سلاخوں کے پیچھے بے بسی سے فیصلے کا منتظر تھا۔

وہ کس مقدمے میں اور کیسے ملوث ہوا؟ یقیناً یہ سوال آپ کے ذہن میں بھی کلبلا رہا ہوگا۔

مشہور شخصیت کے قتل کے دو سال بعد اُسے موبائل پر فون کر کے کسی انسپکٹر نے تھانے میں حاضری کا حکم سنایا۔ اس نے توجہ نہ دی۔ دو تین دفعہ مسلسل اس قسم کا فون آیا تو اُس نے اپنے بڑے بھائی عادل کو بتایا۔ عادل نے انسپکٹر سے بات کی تو جواب ملا کہ معمولی معاملہ ہے۔ آپ تھانے آ جائیں، معاملہ حل کر لیتے ہیں۔

عادل، عمیر کو لے کر متعلقہ تھانے پہنچا۔ عمیر کی شناخت ہوتے ہی اُسے فوراً لاک اَپ میں ڈال دیا گیا۔ عادل حیران و پریشان دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے تفصیلات معلوم کیں تو اُس کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ انسپکٹر نے بتایا کہ عمیر نے کسی پلاٹ کے سودے کے سلسلے میں دس لاکھ کا چیک کاٹ کر دیا ہے جو بینک نے رقم نہ ہونے کی بنا پر واپس کر دیا ہے۔ یہ ایک قابل سزا جرم ہے کہ کسی کو رقم کا چیک دیں اور وہ رقم آپ کے اکاؤنٹ میں نہ ہو، اسی لیے متاثرہ شخص نے اس کی رپورٹ تھانے میں کی ہے اور پولیس اپنی معمول کی کارروائی کر رہی ہے۔

عمیر کو جب چیک کی فوٹو کاپی دکھائی گئی تو اُسے اندازہ ہوا کہ یہ چیک اس نے نہیں لکھا، مگر لگتا ہے کہ اکاؤنٹ نمبر اور سیریل نمبر اُس کی چیک بُک کا ہی ہے اور کسی نے بڑی چالاکی سے اس کے نقلی دستخط کیے ہیں۔

دوسرے دن وکیل کا بندوبست کیا گیا۔ وکیل نے بینک سے معلوم کیا تو پتا چلا کہ یہ چیک بُک تین سال قبل اُسے دی گئی تھی اور ۲۵ چیک پر مشتمل اس بُک کا یہ اکیلا چیک ہے جو اِتنی بڑی رقم کا گیا ہے۔ عمیر، وکیل کا جملہ سن کر چونک گیا۔

اس کے ذہن میں ایک دھما کا سا ہوا، کہیں یہ وہی چیک بُک تو نہیں ہے جو میرے دفتر میں تھی، ہوسکتا ہے کہ اسے چُرا لیا گیا ہو اور میں یہ سمجھا کہ اسکول کے ساتھ یہ بھی جل گئی ہوگی۔

اب اس بات کا فیصلہ عدالت کرے گی، مگر اُس کے لیے بطورِ ثبوت وہ تحریری رسید ہوسکتی ہے جو اُس نے بینک کو چیک بُک گم ہونے پر دِی تھی اور اُس کی نقل پر ہر بینک کے افسر کے دستخط اور مہر تھی۔ یہی رسید اُس کی بے گناہی کا ثبوت تھی، مگر وہ کیسے ملے؟

اس نے اپنے بھائی عادل کو گھر میں فائلوں اور بکھرے ہوئے بے ترتیب اہم کاغذات اور تعلیمی اسناد میں ڈھونڈنے کا کہا۔ مسلسل دو دِن کی تلاش بسیار کے بعد بھی اس کا کہیں پتا نہ چلا۔ دفتر میں بھی تلاش کیا گیا، مگر نتیجہ وہی صفر رہا۔

اس مسئلے کا حل اس کے دوست ساجد نے نکالا۔ اسے یاد آیا کہ اکثر وہ اہم کاغذات اور بینک کی رسیدیں اپنے کالج کے رجسٹروں میں رکھ دیا کرتا تھا۔ یہ رجسٹر اَب اسٹور میں موجود ہیں۔ عادل کے ساتھ ساجد خود مٹی سے اَٹے ہوئے اسٹور میں گیا اور دو دِن کی تلاش کے بعد بالآخر وہ رسید مل ہی گئی۔

پندرہ دن بعد عدالت میں وکیل نے اس رسید کو پیش کر کے مؤقف پیش کیا کہ اس چیک بُک سے میرے مؤکل کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تو اُس سانحے کے دوران میں چرالی گئی تھی اور ساتھ ہی بینک کی تحریری درخواست پیش کی۔ دوسری پیشی پر عدالت نے بینک سے رپورٹ منگوائی جس سے عمیر کے مؤقف کی تصدیق ہوئی۔

یوں عدالت نے اسے مقدمے سے بُری کر دیا۔

بقیہ صفحہ نمبر 51 پر

بچاؤ، بچاؤ!

فاتح کون ۲

۱۸

نذیر انبالوی۔ لاہور

''دانش! ہوش میں آؤ، حمزہ نے جان بوجھ کر تمھارے بہنوئی جواد کو نہیں مارا۔ کیا تم نے اپنے دوست کو جان بوجھ کر مارا ہے؟'' تنویر نے دانش کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''نہیں، وہ تو مذاق ہی مذاق میں گولی چل گئی تھی۔ میں بے قصور ہوں، میں نے اپنے پیارے دوست بلال کو نہیں مارا۔'' یہ کہتے ہوئے دانش رو دِیا۔ وہ کافی دیر تک روتا رہا۔ تنویر نے سب کو اِشارہ کر کے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ رو لے گا تو اِس کا دل ہلکا ہو جائے گا۔

حمزہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ دانش نے ناخوش گوار انداز میں حمزہ کو گھورا۔

''میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا، تم قاتل ہو، تم نے میرے بہنوئی کو مارا ہے۔'' اس سے قبل کہ دانش دوبارہ حمزہ پر حملہ کرتا شاہد نے دھکا دے کر

دانش کو ایک طرف گرا دِیا۔ رب نواز بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا، اس نے ایک زوردار مکا دانش کی کمر پر جڑ دیا۔

''مت مارو اِسے۔'' تنویر نے شاہد اور رَب نواز کو روکا۔

''استاد! لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے! جو جرم یہ خود کر کے آیا ہے وہی جرم حمزہ کا ہے۔ دونوں نے غیر ارادی طور پر جرم کیا ہے، اتنی سی بات اس کے بھیجے میں نہیں آ رہی۔''

شاہد کا پارہ واقعی خاصا بلند ہو گیا تھا۔ شاہد اور رَب نواز، دانش پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔ وہ جیسے ہی حمزہ کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا، شاہد اور رَب نواز اُسے گھورتے۔ رات کو حمزہ کو دیوار کے پاس سونے کے لیے جگہ دی۔ دانش کے ایک طرف شاہد اور دُوسری جانب رب نواز سویا ہوا تھا۔ دانش مسلسل چھت کو گھورے جا رہا تھا۔ بلال کی شکل اس کی آنکھوں کے سامنے گردش کر رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ بلال اس کے سامنے کھڑا ہے۔

......☆......

''یار! کتنی دیر سے تیرا اِنتظار کر رہا ہوں۔ آؤ، کرکٹ کھیلنے چلتے ہیں۔''

''ہاں، آؤ یار!

میدان میں چلتے ہیں۔ ویسے بھی آج بہت اہم کھیل ہے، اسٹار کرکٹ کلب کے بلے باز احمد یار کو اپنی بلے بازی پر بہت ناز ہے، آج اسے ایسی گیندیں کرواؤں گا کہ اسے نانی یاد آ جائے گی۔'' دانش نے ہاتھ میں گیند اُچھالتے ہوئے کہا۔

''اچھا اچھا، اب زیادہ شیخیاں نہ مارو، موٹر سائیکل پر بیٹھ جاؤ۔'' بلال نے موٹر سائیکل کو کک لگائی۔

’’آہستہ موٹر سائیکل چلانا اور ہاں، ایک پہیے پر مت چلانا، مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔‘‘

’’اب بیٹھو گے بھی یا یہیں کھڑے کھڑے ہدایات دیتے رہو گے؟‘‘ بلال کو میدان میں پہنچنے کی جلدی تھی۔

پندرہ بیس منٹ بعد دونوں میدان میں موجود تھے۔

قرعہ جیت کر اسٹار کرکٹ کلب کے کپتان علی نے پہلے کھیلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ افتتاحی بلے باز میدان میں موجود تھے۔ دانش بھی گیند کروانے کے لیے تیار تھا۔ میدان کے باہر یوں تو تماشائی کم تھے، مگر اُن کا شور اتنا تھا کہ آواز دُور دُور تک سنائی دے رہی تھی۔

دانش کی تین گیندوں پر کوئی رن نہیں بنا۔ چوتھی گیند پر بلے باز احمد یار نے چھکا لگایا تو دانش منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا۔ اسے بالکل یہ توقع نہیں تھی کہ اس کی گیند پر چھکا لگ جائے گا۔ اگلی گیند پر احمد یار نے چوکا لگایا تو دانش آگ بگولا ہو گیا۔ وہ احمد یار کو گھورتے ہوئے بولا:

’’میں تمھیں دیکھ لوں گا، اب تم چوکا چھکا لگا کر دیکھو۔‘‘

’’غصہ مت کرو، ٹھنڈے دماغ سے گیند کرواؤ۔ گیند کروانے پر توجہ دو۔‘‘ بلال نے اسے سمجھایا۔

دانش نے اگلی گیند کروائی تو احمد یار نے ایک اور چھکا لگا دیا۔ پہلے ہی اوور میں سولہ رن بن گئے۔ دانش کا دِل چاہ رہا تھا کہ وہ احمد یار کا منہ نوچ لے۔ اس کھیل میں دانش کے چار اُوور میں پچاس رن بنے تھے۔ اگر بلال اور ٹیم کے کپتان اسے نہ سمجھاتے تو وہ ہر گیند پر احمد یار سے لڑائی جھگڑا کرتا۔ بلال چوں کہ دانش کا بے تکلف دوست تھا، اس لیے جب وہ کھیل کے بعد میدان سے باہر آئے تو بلال نے مسکراتے ہوئے کہا:

’’آج تو تمھاری تاریخی پٹائی ہوئی ہے۔‘‘

’’اگر تم نے زبان بند نہ کی تو میں تمھاری تاریخی پٹائی کر دوں گا اور اگر زیادہ تنگ کرو گے تو تمھیں گولی مار دوں گا۔‘‘ دانش نے اپنے ہاتھ کو پستول بناتے ہوئے بلال کو ڈرایا۔

’’تم اور مجھے گولی مارو گے! تم تو ڈرپوک ہو، تم نے کبھی مچھر تک نہیں مارا، مجھے گولی کیا مارو گے!‘‘ بلال ابھی تک مسکرا رہا تھا۔

اسٹار کرکٹ کلب نے کھیل بآسانی جیت لیا تھا۔ دانش کی کارکردگی خاصی خراب رہی تھی، وہ شرمندہ سا نظر آ رہا تھا۔ بلال کے ساتھ مل کر دوسرے کھلاڑیوں نے بھی اس کا مذاق اُڑایا تھا۔ دانش کو یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اداس اور پریشان گھر آیا تو امی جان نے پوچھا:

’’کیا کھیل ہار کر آئے ہو؟‘‘

’’جی، ایسا ہی ہے۔‘‘ دانش بولا۔

’’کھیل میں تو ہار جیت ہوتی رہتی ہے، اس میں اتنا اداس ہونے والی کون سی بات ہے۔ ہاتھ منہ دھولو اور کھانا کھالو۔‘‘

’’مجھے بھوک نہیں ہے۔‘‘ دانش یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تو امی جان بولیں:

’’میں تمھیں کھانا کھائے بغیر جانے نہیں دوں گی۔ کھیل کو کھیل سمجھ کر کھیلو، اسے عزت کا مسئلہ مت بناؤ، آج نہیں جیت پائے تو کل جیت جاؤ گے۔‘‘

’’کھیل ہارنے کی وجہ میں ہوں۔ احمد یار نے مجھے خوب چوکے چھکے لگائے ہیں، میری سب کے سامنے بے عزتی ہوئی ہے، میں احمد یار کو نہیں چھوڑوں گا۔ میں اسے معاف نہیں کروں گا۔‘‘ دانش ایک کھیل ہارنے پر حوصلہ ہار بیٹھا تھا۔ امی جان کے اصرار پر اُس نے چند لقمے ہی اپنے حلق سے نیچے اتارے۔ وہ بہت بے چین اور پریشان تھا۔

’’میں احمد یار کو نہیں چھوڑوں گا، میں احمد یار کو دیکھ لوں گا۔‘‘

بڑبڑاتا ہوا وہ ابا جان کی الماری کی طرف بڑھا۔ ابا جان کمپنی کے ایک ضروری کام کے سلسلے میں

اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ وہ الماری میں ابا جان کا پستول تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر ہی میں اسے الماری کے اندرونی خانے سے پستول مل گیا۔ دانش نے اسے اپنے بستے میں رکھ لیا۔ اگلے دن وہ موٹر سائیکل پر سوار بلال کے ساتھ جانے لگا تو اُس نے بستے سے پستول نکال کر اُس کی نال بلال کی کمر سے لگا دی۔

''جو کچھ ہے نکال دو، ورنہ گولی مار دوں گا۔'' دانش نے رعب دار آواز میں کہا۔

''دانش! یہ کیا مذاق ہے؟''

''یہ مذاق نہیں، حقیقی اور اصلی پستول ہے۔ اگر یقین نہیں آ رہا تو یہ دیکھو۔'' یہ کہہ کر دانش نے جوں ہی پستول بلال کو دِکھانا چاہا تو نہ جانے کیسے گولی چل گئی۔ بلال کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔ موٹر سائیکل ایک درخت سے ٹکرا گئی۔

......☆......

''نہیں نہیں، میں نے جان بوجھ کر بلال کو گولی نہیں ماری۔'' یہ کہہ کر دانش زار و قطار رونے لگا۔

سب اس کے رونے پر اُٹھ بیٹھے۔ حمزہ بھی جب یہاں آیا تھا وہ بھی اسی طرح رویا تھا۔ دانش کو روتا دیکھ کر حمزہ کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔

......☆......

عائشہ اپنی امی جان فاطمہ کے ساتھ بلال کے ہاں موجود تھی۔ بلال کی بہنیں اور اُس کے والدین غم سے نڈھال تھے۔

''ہم آپ کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں، ہم سب کو بلال کے چلے جانے کا دکھ ہے۔'' فاطمہ کی بات سن کر بلال کی بہن رمشا بولی:

''بہتر یہی ہے کہ آپ دونوں یہاں سے چلی جائیں۔''

''وہ دراصل بات یہ ہے کہ میرا بھائی بے قصور ہے، اس نے جان بوجھ کر بلال کو گولی نہیں ماری۔ میرے بھائی کو معاف کر دیجیے۔'' عائشہ نے التجا کی۔

''ابھی ہمارا زخم تازہ ہے، اس حوالے سے بعد میں بات کریں گے، ابھی آپ یہاں سے جائیے۔'' بلال کی والدہ نے کہا۔

عائشہ اور اُس کی امی جان بوجھل قدموں سے وہاں سے

چل پڑیں۔ انھیں اس لمحے الماس یاد آ گئی۔ وہ کئی بار اُن کے گھر صلح کے لیے آئی تھی۔

عائشہ کو اُلماس کی ایک ایک بات یاد آ رہی تھی۔ آج عائشہ کے گھر والے بھی وہیں کھڑے تھے جہاں الماس اپنے بچوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ اسے رہ رہ کر اپنے بھائی بلال کے بارے میں اُلجھن رہی تھی۔ اس کا دِل چاہ رہا تھا کہ اس کا بھائی جلد از جلد جیل سے باہر آ جائے۔

اس مشکل گھڑی میں جواد کے ابو جان نے اپنی بہو کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اسے تسلی دی، اسے سمجھایا۔ لوہا گرم تھا، اس لیے عائشہ اپنے شوہر جواد کے قاتل حمزہ کو معاف کرنے پر راضی ہوگئی۔ اس موقع پر صلح اور معافی بھی، بہت خوش تھیں۔ لڑائی اور غصہ منہ لٹکائے ایک طرف کھڑے تھے۔ دونوں سوچ رہے تھے کہ وہ ملکہ بدی کا سامنا کیسے کریں گے؟ حالات نے پلٹا ہی ایسا کھایا تھا کہ وہ جیتی ہوئی بازی ہار گئے تھے۔ اگلی پیشی پر عائشہ نے جج کے سامنے یہ بیان دیا کہ وہ اپنے شوہر کے قاتل کو معاف کرتی ہے۔ وکیل استغاثہ نے عائشہ سے سوال کیا:

''کیا آپ پر کوئی دباؤ ہے؟''

''جی نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔'' عائشہ نے جواب دیا۔

''پھر آپ حمزہ کو کیوں معاف کر رہی ہیں؟''

''حالات انسان کو بہت کچھ سکھا دیتے ہیں، میں پہلے تصویر کا ایک رخ دیکھ رہی تھی، اب تصویر کا دوسرا رُخ نظر آیا تو میں نے اپنے خاوند کے قاتل کو معاف کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' عائشہ نے پُر اعتماد انداز میں اپنا بیان ریکارڈ کروایا۔

عدالتی حکم نامہ جب جیل میں موصول ہوا تو تنویر نے حمزہ کو گلے لگالیا:

''میرا دِل کہتا تھا کہ تمھیں معافی مل جائے گی، دیکھو ایسا ہی ہوا ہے۔''

''شکریہ تنویر بھائی! آپ نے، رب نواز اور شاہد نے جس طرح میرا خیال رکھا ہے، میرے پاس آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔''

حمزہ نے اتنا کہا ہی تھا کہ دانش اپنی جگہ سے اٹھا۔ وہ سب کچھ جان چکا تھا، پھر وہ ادھر اُدھر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ وہ تیزی سے حمزہ کی طرف بڑھا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی حمزہ کا گریبان پکڑ لیا۔

''میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔'' دانش چلّایا۔

''بے وقوف مت بنو، یہ عدالتی حکم ہے۔ حمزہ کو معافی تمھاری بہن نے دی ہے، تم اب کچھ نہیں کر سکتے۔''

تنویر نے کوشش کی کہ دانش حمزہ کا گریبان چھوڑ دے۔

''لڑائی جھگڑا کرنے سے اب کچھ حاصل نہیں ہوگا، عدالت نے جو حکم دیا ہے اس پر ضرور عمل ہوگا۔'' شاہد بھی بول پڑا۔

''میں عدالت کے حکم کو نہیں مانتا۔''

غصے نے پوری طرح دانش کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ اس نے گریبان چھوڑ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے حمزہ کی گردن کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''یہ مرجائے گا، چھوڑو اسے۔'' تنویر نے یہ کہہ کر شور مچایا۔

''بچاؤ، بچاؤ، کوئی ہے جو مدد کے لیے آئے، بچاؤ بچاؤ۔''

(پھر کیا ہوا، یہ جاننے کے لیے پڑھیے اگلی قسط)

بقیہ: پھندا

اسی طرح اپنے آگے سے اس لیے کھانا چاہیے کہ اگر ہم کسی کے ساتھ کھا رہے ہوں اور برتن میں جگہ جگہ ہاتھ چلائیں گے تو اُسے بہت عجیب لگے گا اور تکلیف بھی ہوگی اور وہ آپ کے ساتھ کھانا بھی پسند نہیں کرے گا کہ اسے تو تمیز ہی نہیں، اس لیے اچھا انسان وہی ہوتا ہے جو خود اچھا ہو اور دوسروں کو تکلیف بھی نہ دے۔''

چچا رازی نے بہت آسان انداز میں ساری چیزیں بتائیں۔

''اوہ چچا جان! یہ ساری چیزیں تو بہت قیمتی ہیں، اگر ہم ان پر عمل کریں تو ہم اچھی صحت حاصل کر سکتے ہیں۔'' احمد نے کہا۔

''تبھی مجھے پھندا لگا تھا کہ میں جلدی جلدی کھا رہا تھا اور بسم اللہ بھی نہیں پڑھی تھی، اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ بسم اللہ بھی پڑھوں گا اور کھانا آرام سے اچھی طرح چبا چبا کر کھاؤں گا۔''

زین نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آئندہ سب اچھی باتوں پر عمل کرنے کی نیت کی تو سب بچوں نے بھی عمل کرنے کا پکا عزم کیا۔

بھوک

محمد ثوبان۔ کراچی

''سنیں بھیا! ہمارے لیے چار کپ چائے لایئے گا۔'' نوشاد نے بیرے سے کہا۔

''جی نوشاد بھائی! ابھی لاتا ہوں۔'' بیرا تیزی سے چلا گیا اور تھوڑی دیر میں ہی گرم گرم چائے کے چار کپ ہمارے سامنے تھے۔

ہم چاروں دوستوں (نوشاد، تنویر، رفیع الدین اور اِسماعیل) کا روز کا معمول تھا کہ عصر کے بعد اسپیشل کوئٹہ ہوٹل میں چائے پیتے تھے۔ وہاں گپ شپ ہوتی تھی، کبھی کبھار چپس یا سموسے اور رول وغیرہ بھی خرید لیتے، مگر کھانے کی جگہ یہی تھی۔ ہوٹل کے مالک سراج الدین صاحب (سراج لالا) ہمیں جانتے تھے۔ ہوٹل کے بیرے سے بھی اچھی خاصی گپ شپ رہتی تھی، اس لیے وہ بھی ہمیں جانتا تھا۔

''کل اتوار ہے دوستو! پھر کیا پروگرام ہے تنویر!؟'' اسماعیل نے چائے کے کپ سے چسکی لیتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے، بل کہ نہیں، میرا دل کہتا ہے کہ ہمیں ساحلِ سمندر جانا چاہیے۔'' تنویر سے پہلے رفیع الدین نے جلدی سے جواب دیا۔

''ارے بھائی! تنویر سے پہلے آ ٹپکے، کیا بات ہے آپ کی!'' اسماعیل نے معصومیت سے کہا، جس پر رفیع الدین زور سے ہنس پڑا۔

''اور یہ نوشاد کو تو دیکھیں، پتا نہیں کون سی دنیا میں کھو گیا ہے۔'' اسماعیل کی توجہ اچانک نوشاد کی طرف ہوئی تو اُسے متوجہ کرنا چاہا۔

''جج......جی اسماعیل بھائی!'' نوشاد نے بوکھلاتے ہوئے اسماعیل کی طرف دیکھا، اسے پتا ہی نہیں تھا کہ یہاں چل کیا رہا ہے۔

''جناب عالی! کل کے لیے ترتیب بنا رہے ہیں، چھٹی جو ہے۔'' رفیع الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دوستو! وہ دیکھو چھوٹے بچے کو، اس کی آنکھوں میں مجھے آنسو نظر رہے ہیں۔''

نوشاد نے ہوٹل کے ایک طرف اکیلے بیٹھے ایک بچے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا تو سب اس کی طرف متوجہ ہو کر دیکھنے لگے۔

''ارے دوست! ابھی بلا لیتے ہیں اسے۔''

رفیع نے بیرے کے ذریعے بچے کو بلایا، تاکہ کسی کی نظر میں نہ آ سکے۔

''کیوں رو رہے ہو چھوٹے!؟'' قریب آ کر سب نے دیکھا کہ بچے کی آنکھوں میں واقعی آنسو تھے تو نوشاد نے پوچھا۔

''وہ کرسی پر بیٹھے انکل نے بہت زیادہ ڈانٹا۔'' بچے نے معصومیت سے انگلی سے دور بیٹھے پینٹ شرٹ پہنے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا، جو کہ عمر کے لحاظ سے بڑی عمر کا لگ رہا تھا۔

''ان انکل نے کیوں ڈانٹا آپ کو؟'' نوشاد نے پھر سوال کیا۔

''میں نے ان سے ایک پراٹھا مانگا تھا اس لیے!'' بچہ شرماتے ہوئے بولا۔

''اوہ! تو کیا کھانا نہیں کھایا آپ نے؟'' نوشاد نے افسردہ ہو کر حیرت سے پوچھا۔

''نن......نہیں، ابھی تک نہیں کھایا۔ بھوک بہت زیادہ لگ رہی ہے، اس لیے پراٹھا

مانگا۔ ''بچہ اب نظریں نیچے کیے ہوئے تھا، ظاہر ہے وہ شرما رہا تھا۔

''چچ...... چچ...... ادھر آؤ میرے پاس۔'' نوشاد نے اسے اپنے ساتھ والی ایک خالی کرسی پر بٹھا لیا۔ چاروں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''یہ آپ کے لیے ہی ہے، پیٹ بھر کر مزے سے کھاؤ۔'' نوشاد نے بیرے سے بریانی منگوا کر بچے کے سامنے رکھی اور بچے کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''وہ...... وہ......'' بچہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا، لیکن الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے اور وہ کچھ بھی نہیں بول سکا۔

''جی چھوٹے! بولو، کیا بولنا چاہتے ہو؟ کچھ اور چاہیے کیا؟'' رفیع الدین نے پوچھا۔

''وہ...... وہ میری امی بھی صبح سے بھوکی ہیں اور چھوٹا بھیا بھی۔ وہ دیکھیں، بھیا رو رہا ہے۔''

بچے نے کھڑے ہو کر سامنے فٹ پاتھ پر بیٹھی خاتون کی طرف اشارہ کیا، جو ہر طرف سے بے خبر اپنے بچے چپ کو کروانے میں مشغول تھی۔

''اف اللہ! کتنا تکلیف دہ منظر ہے!''

''دوستو! میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ مناسب سمجھو تو بتادوں؟'' اسماعیل بولنے لگا۔

''ہاں کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟'' سب نے مل کر کہا۔

''کل کی چھٹی اس خاندان کے نام کر دیتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟'' اسماعیل نے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔

''بھئی، صاف صاف کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''دوستو! کل تفریح پر آنے والے خرچے سے اس دکھی خاندان کی مدد کرتے ہیں۔ کچھ پیسوں سے کھانے پینے کا سامان لیتے ہیں اور کچھ نقد ہی دے دیتے ہیں، تاکہ یہ اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کر سکیں۔'' اسماعیل نے پوری تفصیل بتادی۔

''بہترین خیال اور زبردست منصوبہ!'' نوشاد نے تائید کی تو دوسرے دوست بھی فوراً تیار ہو گئے۔

''اچھا! چائے پی لیتے ہیں، پھر چلتے ہیں۔ اور چھوٹے، آپ بریانی تو کھالو۔'' نوشاد نے چھوٹے کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''چلیں۔''

سب نے چائے پی لی اور بچے نے بھی بریانی کھالی تو بل ادا کر کے چاروں نے پہلے کچھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں لیں اور پھر اُس خاتون کی طرف چل دیے۔ کچھ دور کھڑے ہو کر اُنھوں نے بچے کے ہاتھ میں کھانا اور رقم دے کر اُس کی امی کی طرف بھیج دیا۔ خاتون نے بچے کے ہاتھ سے سامان لیا اور دعائیں دینے لگی۔

خاتون کے دعائیں دینے پر دور کھڑے چاروں دوستوں نے اس نیک کام پر رب کا شکر ادا کیا اور مسکراتے ہوئے واپس ہوٹل کی طرف بڑھ گئے۔

بقیہ: چوچو کی بیٹھک

چُوچُو نے سب کو ڈرتے ہوئے دیکھ کر تسلی دی۔ چُوچُو کی اس بیٹھک میں یہ طے پایا کہ ڈیزی اور چُوچُو سمیت کچھ بہادر چڑیاں بچوں کے پاس جائیں گی۔ وہ بچوں سے بات کر کے انھیں پرندوں سے محبت کرنے کا درس دیں گی۔

اگلے دِن بہت ساری چڑیاں کچھ گھروں میں گئیں۔ انھوں نے احسن، احمد، حماد، ثانیہ، سارہ اور باقی پیارے پیارے بچوں سے بات کی۔

''ہم آپ کا خیال رکھیں گے۔''

احسن نے چُوچُو سے عہد کیا۔

''میں اپنی غلیل سے کبھی پرندوں کا نشانہ نہیں لوں گا۔''

حماد نے ڈیزی کی بات سُن کر کہا۔ اِس طرح سارہ اور ثانیہ نے بھی وقت پر پانی رکھنے اور دانہ ڈالنے کا وعدہ کیا۔

پیارے پیارے بچوں سے باتیں کر کے سب چڑیاں خوش ہو گئیں اور چڑستان کی طرف واپس چلی گئیں۔

کتنی پیاری ہے مری اردو زباں
اس زباں کا کوئی ثانی ہے کہاں

ہیں کروڑوں لوگ اردو بولتے
جانتا ہے اس کو سارا ہی جہاں

عربی و ہندی و ترکی ، فارسی
ایک اردو میں ہے ان سب کا نشاں

ہے یہ گہوارا گر تہذیب کا
علم و حکمت کا ہے یہ اک کہکشاں

دیکھیے اردو کا یہ اعجاز ہے
ہو رہی ہے دن بہ دن یہ نوجواں

کون سا فن ہے ، وہ کیسا ہے ہنر
نہ کیا ہو جس کو اردو نے عیاں

ارسلاںؔ! کیوں نہ کریں اردو سے پیار
یہ ہے پاکستان کی قومی زباں

اجازت

حمیرا علیم۔ کوئٹہ

سات سالہ عمار اور چھے سالہ خولہ اپنے والدین کے ساتھ دادا کے گھر جا رہے تھے۔ دونوں بہن بھائی بہت خوش تھے، کیوں کہ وہ بہت دن کے بعد دَادا اور دَادو سے ملنے جا رہے تھے۔ ابو کی مصروفیت کی وجہ سے وہ پورا مہینا ان کے گھر نہیں جا سکے تھے۔ اب وہ دونوں منصوبے بنا رہے تھے کہ چاچو کے ساتھ مل کر کون کون سی جگہ جائیں گے۔

''بھائی! مجھے سائنس عجائب گھر جانا ہے۔''

خولہ جب بھی اسلام آباد جاتی تو والدین یا چاچو کے ساتھ سائنس عجائب گھر ضرور جاتی، جب کہ عمار کو فاطمہ جناح پارک جانا زیادہ پسند تھا، اس لیے اس نے جھٹ کہا:

''نہیں، ہم فاطمہ جناح پارک جائیں گے اور خوب مزے کریں گے۔ چاچو کو بھی پارک میں زیادہ مزہ آتا ہے، عجائب گھر میں کیا رکھا ہے، پرانی پرانی چیزیں!'' یہ سن کر خولہ نے منہ بنایا تو امی نے کہا:

''بھئی عمار! بہن کو تنگ مت کرو۔ ہم سب جگہ جائیں گے، پارک بھی، عجائب گھر بھی اور چڑیا گھر بھی۔'' عمار نے بہن کو منہ چڑایا اور دونوں اپنی اپنی طرف کے شیشوں سے باہر دیکھنے لگے۔

دادا کے گھر پہنچ کر جوں ہی بابا نے ہارن بجایا چوکی دار نے دروازہ کھول دیا۔ عمار اور خولہ گاڑی سے اُتر کر اندر کی طرف بھاگے۔ بابا نے پیچھے سے آواز لگائی:

''دستک دے کر کسی کے کمرے میں جانا۔''

مگر بچے اتنے جوش میں تھے کہ بنا دستک دیے ہی اندر گھس گئے۔ دادا اُس وقت کمرے میں الماری کے ساتھ بنی کپڑے بدلنے والی جگہ پر کھڑے قمیص پہن رہے تھے۔ بچوں نے دیکھا تو شرمندہ ہو کر وہیں کھڑے ہو گئے۔ دادو شاید کمرے میں نہیں تھیں۔ دادا نے قمیص پہنی اور بچوں کو گلے لگا کر پیار کیا اور اُنھیں لے کر باہر برآمدے میں چلے آئے، جہاں ان کے والدین اور دادو بیٹھے تھے۔ دونوں بچوں نے دادو کو سلام کیا اور اُن کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ دادو نے چائے بنائی اور سب باتیں کرنے لگے۔ شام کو چاچو یونی ورسٹی سے آئے تو بچوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

''چلو بچو! پارک چلیں۔''

''نہیں چاچو! پہلے عجائب گھر چلیں گے۔'' خولہ نے ٹھنک کر کہا تو چاچو نے اسے پیار سے گود میں بٹھاتے ہوئے کہا:

''گڑیا! عجائب گھر تو سات بجے بند ہو جاتا ہے، جب کہ پارک کھلا رہتا ہے، اس لیے عجائب گھر ہم کل جائیں گے، کیوں کہ میری اس ہفتے کی چھٹی ہے۔ آج پارک چلتے ہیں۔ ٹھیک ہے؟'' خولہ نے اثبات میں سَر ہلا دیا۔ وہ تینوں پارک چلے گئے۔ جہاں خوب جھولے وغیرہ جھولے، مزے مزے کی چیزیں کھائیں اور رات کو تھکے ہارے واپس آئے۔

جب سب سونے کے لیے لیٹے تو دادا جان اجازت لے کر اُن کے کمرے میں آئے:

''سو گئے بچو!؟'' دادا نے استفسار کیا تو دونوں اچھل کر بستر پر بیٹھ گئے۔

''نہیں دادا جان! ہم تو اِنتظار کر رہے تھے کہ آپ آ کر ہمیں کہانی سنائیں۔''

دادا جان ان دونوں کے درمیان بیٹھ گئے اور اُنھیں بازوؤں کے حلقے میں لے کر بولے:

''میرے خیال میں آج کہانی رہنے دیتے ہیں۔ ہے کہ آپ کو کچھ اور باتیں بتاتا ہے۔ ٹھیک ہے نا!؟''

دونوں نے فوراً ہاں میں سر ہلایا تو دادا جان کہنے لگے:

''آپ کو معلوم ہے نا کہ سُورَۃُ النُّور کی ایک آیت کا مفہوم ہے: 'اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں نہ جاؤ، جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام

نہ کرلو۔ یہی تمھارے لیے بہتر ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اگر وہاں تمھیں کوئی بھی نہ مل سکے تو پھر اجازت ملے بغیر اندر نہ جاؤ۔ اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ جاؤ، یہی بات تمھارے لیے پاکیزہ ہے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اُسے اللہ خوب جانتا ہے۔‘

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے گھروں میں داخل ہونے کے آداب بیان فرمائے ہیں کہ جب تک تمھیں یہ معلوم نہ ہوجائے کہ اندر کون ہے اور اُس نے تمھیں اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی ہے، اس وقت تک داخل نہ ہو اور جب بھی کسی کے کمرے یا گھر میں جانا ہو تو پہلے دستک دو۔“

”دادا جان! کیا اپنے امی ابو کے کمرے میں جانے سے پہلے بھی اجازت لینی چاہیے؟“

خولہ نے حیرت سے سوال کیا تو دادا جان نے مسکراتے ہوئے کہا:

”بالکل! امی ابو ہوں، بہن بھائی یا چاچو، دادو، سب کے کمرے میں جانے سے پہلے دستک دینی اور اجازت لینی چاہیے۔

قرآن پاک کی آیت کا مفہوم ہے: ’اے ایمان والو! تمھارے وہ لڑکے جو ابھی بالغ نہیں ہوئے، تم سے ان تین وقتوں میں اجازت لے کر آیا کریں۔ صبح کی نماز سے پہلے، دوپہر کے وقت اور عشا کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمھارے پردے کے ہیں۔‘ (النور:۵۸)

صرف بچوں کو ہی نہیں، بل کہ بڑوں کو بھی حکم ہے: ’مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں ان سے اجازت لیے بغیر اور سلام کیے بغیر داخل نہ ہو۔ اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو جب تک تمھیں اجازت نہ دی جائے اس میں مت داخل ہو اور اگر کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ۔‘

اب دیکھو نا! آج کیا ہوا؟ آپ لوگ بغیر دستک دیے میرے کمرے میں آ گئے، جب کہ میں قمیص پہن رہا تھا۔“

دونوں نے شرمندگی سے سر جھکا لیے تو دادا جان نے انھیں سمجھایا:

”میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہیں ہے، بل کہ آئندہ کسی شرمندگی سے بچانا ہے۔ ذرا سوچو، آپ بغیر اجازت لیے کسی اور کے کمرے میں جاؤ اور آج والی صورتِ حال ہو جائے تو کیسا لگے گا؟“

”معذرت دادا جان! ہم آئندہ بغیر دستک دیے اور اِجازت لیے کسی کے کمرے یا گھر میں نہیں جائیں گے۔ ابو نے کہا بھی تھا، مگر ہم اتنے پُرجوش تھے کہ دھیان نہیں رہا۔“

”شاباش بیٹا! آپ کو معلوم ہے کہ نبی ﷺ پہلے سلام کرتے، پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے تھے۔ تین مرتبہ آپ ﷺ اجازت طلب فرماتے۔ اگر کوئی جواب نہیں آتا تو آپ واپس لوٹ جاتے اور دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے، تاکہ ایک دم سامنا نہ ہو، جس میں بے پردگی کا امکان رہتا ہے۔“

”لیکن دادا جان! ہمارا دروازہ تو گھر سے اتنا دور ہے کہ دستک دینے والے کی آواز ہم تک نہیں پہنچے گی تو ہم اجازت کیسے دیں گے؟“ عمار نے پوچھا تو دادا جان بولے:

”میرے معصوم بچے! آج کل گھنٹی لگی ہوتی ہے نا دروازے پر تو اُسے تین بار وقفے وقفے سے بجا کر اِنتظار کرنا چاہیے۔ اگر دروازہ نہ کھلے تو مطلب یہ کہ کوئی گھر پر نہیں ہے یا کسی کام میں مصروف ہے اور ابھی وہ آپ سے ملنا نہیں چاہتا، اس لیے واپس چلے جائیں۔

اسی طرح نبی ﷺ نے دروازے پر کھڑے ہو کر اندر جھانکنے سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے جھانکنے والے کی آنکھ بھی پھوڑ دی تو آپ نے فرمایا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔“

”ہائے دادا جان! آنکھ ہی پھوڑ دیں!“ خولہ نے حیرت سے کہا۔

”جی ہاں، اتنی سختی سے منع فرمایا کہ کسی کے گھر یا کمرے میں نہ جھانکیں، تاکہ بے پردگی نہ ہو اور یہ بھی فرمایا کہ جب اندر سے پوچھا جائے کہ کون ہے؟ تو اِس کے جواب میں ’میں، میں‘ نہ کہا جائے، بل کہ نام بتایا جائے، تاکہ گھر والوں کو معلوم ہو جائے کہ کون آیا ہے۔“

”سبحان اللہ! اتنے سارے اصول اور اَحکام ہیں اور ہمیں معلوم ہی نہیں تھے۔ دادا جان! ہم آئندہ ان سب احکامات پر عمل کریں گے۔“

”ان شاءاللہ! چلو اَب سو جاؤ۔“ دادا جان نے انھیں پیار کیا اور شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

قرآن مجید کے حقوق

خنساء محمد جاوید۔ لاہور

''امی! کیا قرآن پاک کے بھی حقوق ہوتے ہیں؟ اور اگر ہوتے ہیں تو کتنے ہوتے ہیں؟'' علی سے یہ معلوماتی سوال سن کر صبا بیگم ہنس پڑیں۔

''جی، امی کی جان! قرآن پاک کے حقوق ہوتے ہیں، پَر سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ یہ سوال آپ سے کس نے کیا؟''

علی: ''امی! آج ہماری اسلامیات کی استانی نے ہمیں ایمان کے بیانات کے متعلق پڑھایا، جب قرآن مجید کا بیان آیا تو اُنھوں نے ہم سب کو گھر کا کام دیا کہ ہم قرآن پاک کے حقوق کے متعلق کچھ تلاش کر کے آئیں''۔

''اوہ، تبھی میں کہوں، آج علی نے مجھ سے اتنا دل چسپ سوال کیسے کیا!'' صبا بیگم کی بات سن کر علی مسکرا دیا۔

''چلو آؤ علی! پہلے کھانا کھاتے ہیں، پھر میں آپ کو قرآن پاک کے حوالے سے بتاتی ہوں۔'' صبا بیگم نے کہا تو علی نے سر ہلا دیا۔

کھانے کے بعد صبا بیگم نے بتانا شروع کیا:

''علی! قرآن کریم، اللہ تبارک وتعالیٰ کی وہ واحد آخری آسمانی کتاب ہے جس کی آیاتِ کریمہ کو سننے کے بعد کفار اور قریش مکہ کے بڑے بڑے سردار یہ نہیں کہہ سکے کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کو اپنے محبوب اور آخری رسول حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا تو اُس وقت آپ علیہ السلام اسے لکھواتے۔ سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اِس کا پیغام پہنچاتے، پنج وقتہ نمازوں میں اس کی تلاوت ہوتی، لیکن وہ کاغذ پر نہیں لکھتے تھے، کیوں کہ اس وقت کاغذ بھی بہت قیمتی تھا۔''

''تو امی! وہ قرآن پاک لکھتے کیسے تھے؟'' علی نے الجھن میں صبا بیگم سے سوال کیا۔

''بیٹا علی! لکھنے کے لیے چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مقرر تھے جو قرآن مجید کی آیات کو باقاعدہ طور پر جانوروں کی ہڈیوں، کھالوں، درختوں کی شاخوں اور پتوں وغیرہ پر لکھا کرتے تھے۔''

''امی! آپ نے کہا تھا کہ قرآن پاک کو سُن کر کفار یہ ماننے کو تیار نہیں تھے کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو پھر وہ ایمان کیوں نہیں لائے؟''

''دل چسپ سوال!'' صبا بیگم نے پُرجوشی سے کہا تو علی ایک مرتبہ پھر مسکرا دیا۔

''بیٹا! وہ اس لیے ایمان کی روشنی سے محروم تھے، کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات اور راہ نمائی کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو ہدایت کی توفیق نہیں دی تھی۔''

علی توجہ سے صبا بیگم کی باتیں سن اور سمجھ رہا تھا۔

''بیٹا! اللہ تعالیٰ کے کلام، قرآن مجید میں دنیا و آخرت کے مقاصد، جنت اور دوزخ کا بیان، رضائے خداوندی کے انعامات، انبیائے کرام علیہم السّلام کی معلومات، نافرمان قوموں کی سرکشی اور نافرمانی کے قصے اور اُن کا بھیانک انجام، مختصر یہ کہ ایک مسلمان کو زندگی کیسے گزارنی چاہیے، یہ سب موجود ہے۔''

صبا بیگم نے اتنا کہہ کر پانی پیا تو علی نے کہا: ''اچھا امی! اب مجھے آپ قرآن پاک کے حقوق کے بارے میں بتائیں۔''

......(جاری ہے)......

عدالت کا فیصلہ

محمد مبشر عطاری۔شیخوپورہ

''عدالت نے اپنا فیصلہ محفوظ کرلیا ہے، لہٰذا یہ عدالت ۱۹، نومبر بروز ہفتے تک برخاست کی جاتی ہے، آرڈر!'' جج صاحب نے اپنے بارُعب انداز میں کہا اور پھر یکے بعد دیگرے سبھی لوگ کمرۂ عدالت سے رخصت ہونے لگے۔

......☆......

''لگتا ہے گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا۔'' اشفاق نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور اپنے وکیل سے کہنے لگا۔

''ہمم...... میرا بھی یہی خیال ہے، صاف ظاہر ہے کہ عدالت ارسلان کے حق میں فیصلہ دے گی، تمام شواہد اور ثبوت اُس کے موقف کی کسی نہ کسی طرح تائید کر رہے ہیں۔''

وکیل قیصر نے اشفاق کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''بس اب دیکھتے جاؤ، کھیل کیسے بدلتا ہے!'' اشفاق نے شیطانی مسکراہٹ سے کہا تو قیصر بھی ہنسنے لگا۔

اشفاق ایک زمین دار تھا، مگر اُس نے تمام زمینیں قریباً دھوکے اور فریب سے حاصل کی تھیں۔ اس کے اعلیٰ تعلقات اور کثیر مال و دولت کی وجہ سے وہ ہر کیس سے باعزت بری ہو جاتا تھا، مگر اِس دفعہ معاملہ کافی پیچیدہ ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ارسلان کی ۵۰ مرلہ زمین پر آسانی سے قبضہ کر لے گا، مگر حقیقت اس کے برعکس ثابت ہوئی اور اَب فیصلہ بھی محفوظ ہو چکا تھا، جو یقیناً ارسلان کے حق میں تھا۔

......☆......

''اور سنایئے کلیم اللہ صاحب! کیسے مزاج ہیں؟''

اگلی صبح حسبِ منصوبہ اشفاق نے جج کلیم اللہ صاحب کو فون ملایا۔ ان دونوں میں یارانہ تعلقات تھے، مگر کلیم اللہ صاحب اشفاق کے بُرے کاموں سے بے خبر تھے۔

''جی جی، وعلیکم السلام! میں ٹھیک الحمدللہ! اشفاق صاحب! کہیے، کیسے فون کرنا ہوا؟'' انھوں نے جواباً خوش طبعی سے جواب دیا۔

''ویسے ہی، کافی دن ہوگئے جناب ساتھ بیٹھے۔'' اشفاق نے کہا تو وہ جھٹ سے ہنس کر بولے:

''ارے، کیسی باتیں کر رہے ہیں، کمرۂ عدالت میں کون ملاقاتیں کر رہا ہے!؟'' اس پر اَشفاق صاحب بھی ہنسے اور کہا:

''جناب! وہ ملاقات نہیں ہوتی، وہ قانون کی گرفت ہوتی ہے۔ بس آج شام کی چائے میرے گھر پر۔''

''ہمم......ٹھیک ہے، کوشش کروں گا۔'' کلیم اللہ صاحب نے جواباً کہا اور فون بند کر دیا۔

شام کے وقت کلیم اللہ صاحب آئے تو اَشفاق نے انھیں خوش آمدید کہا اور پھر چائے آنے پر وہ باتیں کرنے لگے:

''ویسے کلیم اللہ صاحب! یہ بات اچھی نہیں کہ آپ ہماری ہی گردن پر چھری چلا رہے ہیں۔'' اشفاق نے طنزاً کہا تو وہ سمجھتے ہوئے بولے:

''تو آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں قانون کے سامنے بے بس ہوں، میں انصاف پر مبنی فیصلہ نہ کروں تو یہ میری اپنے پیشے کے ساتھ خیانت ہوگی، لہٰذا اِس موضوع پر میں مزید بات نہیں کر سکتا۔''

''لیکن کچھ دے دلا کر بھی تو معاملہ درست کیا جا سکتا ہے، اگر آپ لینا چاہیں تو......'' اس نے کلیم اللہ صاحب کو رِشوت

کی پیش کش کی تو وہ چونک کر کہنے لگے:

’’اشفاق صاحب! یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ پہلی بات تو یہ کہ معاملہ اتنا بڑا نہیں، آپ دوسرے فریق سے معافی تلافی کر کے اپنے جرمانے اور سزا کو کم کروا سکتے ہیں اور پھر رشوت لینے سے تو ہمارے نبی کریم ﷺ نے بھی منع فرمایا ہے، جیسا کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا:

اَلرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ كِلَاهُمَا فِي النَّارِ (رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا، دونوں جہنمی ہیں۔)

کلیم اللہ صاحب کی بات سن کر اشفاق نے اپنے اندر خوفِ خدا کے جذبے کو محسوس کیا۔ کلیم اللہ صاحب نے اپنا کلام جاری رکھا:

’’رب تعالیٰ اپنے کلام، قرآن مجید میں ہمیں انصاف سے کام لینے کا حکم بھی فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم ہے:

’انصاف کرو، یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔‘‘ (مائدہ:۸)

اشفاق کے اندر ایک نئی تحریک جنم لے چکی تھی۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ نہ صرف اب وہ اپنے گزشتہ کاموں سے توبہ کرے گا، بل کہ آئندہ بُرائی کے کاموں کے قریب بھی نہیں جائے گا۔

اور پھر فیصلہ ارسلان کے حق میں آیا، لیکن ارسلان نے اس کی توبہ کی وجہ سے اسے معاف کر دیا۔

بھلکڑ میاں

عائشہ فیض۔ کراچی

عرفان میاں ہمارے علاقے میں بھلکڑ میاں کے نام سے مشہور تھے۔ یہ نام انھیں ان کے ابا جان نے دیا تھا، کیوں کہ وہ اکثر و بیش تر جو کام ان کے ذمے لگاتے، بھلکڑ میاں انھیں بھول جاتے تھے۔

ایک صبح جب ان کی امی ان کے لیے ناشتا لے کر آئیں تو وہ ناشتا کرنے لگے۔ ان کی امی نے بڑے پیار بھرے انداز میں ان سے سوال کیا:

’’بیٹا آپ نے برش کیا؟‘‘

تو اُنھوں نے سرسری سے انداز میں جواب دیا:

’’جی امی! روز کرتا ہوں۔‘‘

ان کی امی نے کھا جانے والی نظروں سے انھیں گھورا اور بولیں:

’’میں نے سب گھر والوں کے پُرانے برش پھینک دیے ہیں اور اُن کی جگہ نئے برش پیکٹ شدہ رکھ دیے ہیں۔ سب نے اپنا برش کھول لیا ہے، لیکن تمھارا ابھی تک پیکٹ میں ہے۔‘‘

یہ سن کر انھیں یاد آیا کہ انھوں نے تو کئی دن سے برش نہیں کیا۔ اب وہ ناشتا چھوڑ کر غسل خانے کی طرف بھاگے۔

ایک دفعہ جب ان کی بہن نے کہا:

’’بھائی! یہ کتاب لے آئیے، بہت ضروری ہے۔‘‘ تو بھلکڑ میاں فوراً اُٹھے اور جانے لگے۔ ابھی وہ نکل ہی رہے تھے کہ ان کے بھائی جان نے آواز لگائی:

’’میرے لیے آلو کے چپس لے آنا۔‘‘

وہ سر ہلا کر نکل گئے۔ کافی دیر بعد وہ واپس آئے۔ ان کی بہن نے دوڑ کر دروازہ کھولا تو اُن کے ہاتھ میں کتاب نہ پا کر وہ معاملہ سمجھ گئی۔ بھلکڑ میاں جس اہم کام کے لیے گئے تھے، وہی کام بھول گئے تھے، لیکن بھائی جان ابھی بھی اس صورت حال پر کھلکھلا کر ہنس رہے تھے، انھیں اپنے چپس جو مل گئے تھے۔

بھلکڑ میاں کافی دن سے اپنی اس بھولنے والی عادت سے پریشان تھے۔ انھوں نے اس کا ذکر اپنے ماموں جان سے کیا اور ماموں نے توقع کے مطابق انھیں بہترین حل سمجھا دیا۔ اب وہ کافی ’’حد‘‘ تک چیزیں یاد رکھتے ہیں۔

کیا آپ جاننا چاہیں گے کہ ان کے ماموں نے انھیں کیا حل بتایا تھا؟ جی، وہ عمل تھا:

لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنا۔

اس عمل کو پابندی سے کرنے کے بعد ’’بھلکڑ میاں‘‘ کا خطاب ان سے جاتا رہا اور وہ ’’بھلکڑ‘‘ نہ رہے۔

البدر ہائیر سیکنڈری اسکول کے لکھاری

خون کا راز

مہد یہ عبدالسلام۔ البدر اسکول، کراچی

میری نظر جیسے ہی اس پر پڑی میرے قدم اس طرح رک گئے جیسے زمین نے میرے پاؤں جکڑ لیے ہوں اور میں انھیں آگے بڑھانے سے قاصر ہو گئی ہوں۔ دیکھتے ہی پہلے پہل تو میرا دِل چاہا کہ ایک زوردار چیخ ماروں، مگر اِسے بزدلی سمجھ کر اور جذبات پر بمشکل قابو پا کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اُس چیز کا تعاقب کیا اور پھر میرا اُوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

دراصل ہوا کچھ یوں کہ میں حسبِ معمول آدھی چھٹی میں اپنے اسکول میں موجود میدان میں ٹہل رہی تھی، اچانک میری نظر زمین پر موجود خون کے دھبے پر پڑی اور پھر میں نے اس دھبے کا نظروں سے تعاقب کیا۔ دھبا نہیں، خون کی موٹی سی لکیر تھی۔ جاسوسی ناول زیادہ شوق سے پڑھنے کی وجہ سے میرے اندر تجسس نے جوش مارنا شروع کر دیا۔

میرے دماغ نے اس خون کا راز جاننے کی بھرپور خواہش کا اظہار کیا۔ میں یہ سوچنے لگی کہ آج تو میرے ہاتھوں ایک قاتل جیل کی سلاخوں کے پیچھے جانے والا ہے۔

اس نشان کو دیکھ کر ایسا لگ رہا جیسے قاتل نے قتل کرنے کے بعد مقتول کی لاش کو چھپانے کے لیے گھسیٹا ہو اور خون کے نشانات، جو کہ ابھی تک تازہ تھے، مٹانا بھول گیا ہو اور یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

خون کے نشانات کا تعاقب کرتے کرتے میں اسکول کے پچھلے حصے میں پہنچ گئی۔ اسکول کا یہ حصہ ایک غیر آباد علاقے کی جانب تھا۔ اس خون کا رَاز ایک گھنے درخت کے پیچھے جا کر فاش ہوا۔

وہاں نظارہ کچھ یوں تھا کہ ایک بلی نے نہایت معصوم کبوتر کو قتل کر ڈالا تھا، جس کا خون ابھی تک نکل رہا تھا اور یہی وہ خون تھا جس کا راز معلوم کرنے میں یہاں تک پہنچی تھی۔

یہ خیال آتے ہی میں نے بلی اور کبوتر کو اُن کے حال پر چھوڑ کر نہایت ہی تیز رفتاری کے عالم میں کمرۂ جماعت کا رُخ کیا، جہاں انگریزی کا دورانیہ شروع ہو چکا تھا اور اَب کچھ ہی دیر میں میرے ناکام جاسوس ہونے کا انکشاف ہونے والا تھا، مجھ پر طنز و مزاح کے بھرپور تیر برسائے جانے والے تھے، اور یہ سب صرف اور صرف اس خون کا راز جاننے کے چکر میں ہوا تھا۔

حفصہ کے جوتے

مناہل بلال۔ لیول ۲، گرلز سیکنڈری برانچ

’’حفصہ! اتنے گندے پاؤں! آپ نے پھر جوتے نہیں پہنے؟ آپ کو کتنی بار سمجھایا ہے۔ بیٹا! باہر نکلتے ہیں تو جوتے پہن کر جاتے ہیں۔ اگر آپ کے پیروں میں کچھ لگ جاتا تو؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنے پیارے پاؤں دیے ہیں، جنھیں آپ نے مٹی سے کتنا گندا کر لیا۔‘‘ امی نے حفصہ کو سمجھایا۔

یہ تقریباً روز کا معمول تھا۔ امی اسے کتنا سمجھاتیں کہ بیٹا ننگے پیر باہر نہیں کھیلتے، لیکن حفصہ کا جب دل چاہتا ننگے پیر گھر سے باہر کھیلنے چلی جاتی اور اَب امی کی ڈانٹ کا نتیجہ تھا کہ وہ بیت الخلا میں اپنے پاؤں رگڑ رگڑ کر دھو رہی تھی۔

......☆......

’’یہ دیکھو! ہم اپنی گڑیا کے لیے کیا لائے ہیں؟‘‘ ابو نے بڑا سا ڈبا حفصہ کے ہاتھ میں دیا۔

''کتنے پیارے جوتے ہیں!''حفصہ خوشی سے بولی۔
''اب حفصہ یہ جوتے پہن کر کھیلنے جائے گی۔''ابو نے کہا۔
''جی، ٹھیک ہے ابو!''حفصہ نے ابو سے وعدہ کیا، مگر یہ کیا!؟
حفصہ! آج پھر جوتوں کے بغیر باہر کھیل رہی تھی۔ اتنے میں نہ جانے کیا ہوا!
''امی ی ی ی ی......''حفصہ چلائی اور تکلیف سے زمین پر بیٹھ گئی۔
دراصل ہوا یہ تھا کہ حفصہ کھیلتے کھیلتے کوڑے دان کے پاس چلی گئی، وہاں کسی نے ٹوٹا ہوا کانچ کا گلاس پھینکا تھا۔ جس کی کرچی حفصہ کے ننگے پاؤں میں جا لگی۔
''امی جی ی ی ی!''
حفصہ کو انجکشن لگا تو حفصہ تکلیف سے تڑپ اُٹھی، مگر امی کی بات نہ ماننے کی سزا تو بھگتنی تھی۔ پاؤں پر بندھی پٹی اور ایک ہفتہ آرام کی ہدایت کے ساتھ کڑوی دوا کا تحفہ لے کر حفصہ گھر آ گئی۔ گھر آ کر حفصہ نے امی اور ابو سے معافی مانگی اور عہد کیا کہ اب کبھی جوتوں کے بغیر باہر نہیں جائے گی۔ اب سب حفصہ سے خوش ہیں۔

اخلاق

زنیرہ اسد (نہم ب)، گرلز سیکنڈری برانچ

ہو لبوں پر تبسم ، چہرے پر شگفتگی
گناہوں پر ندامت ، غلطی پر شرمندگی
ہو غصے پر قابو رحمت کا غلبہ
خلقِ خدا کے لیے کچھ گزرنے کا جذبہ
ہو غریبوں کا درد ، محتاجوں پہ نرمی
تب کہیں جا کر ملتی ہے ایمان کی گرمی
ہو بڑوں کی عزت ، چھوٹوں پہ نرمی
نہ لگے کسی کو ، لہجے میں ہے گرمی
ہو سلام میں پہل ، گر ہو تکبر کو توڑنا
صفتِ شیطانی کو ہر حال میں چھوڑنا
ہو دل گر خالق کی محبت سے سرشار
خدمت ، خلق کی کرنا لگتا نہیں آزار

دوست

عائشہ راشد (ہفتم ب)، گرلز سیکنڈری برانچ

اندھیری رات میں روشنی کی طرح
دوست ہوتا ہے زندگی میں خوشی کی طرح
جو درد میں ہو ہمارے ساتھ
زخم پر رکھے ہاتھ مرہم کی طرح
غلط راستہ پہ ہم جو زندگی میں ہوں
صحیح راستہ دکھائے راہ نما کی طرح
جب غم زدہ ہوں ، اداس بہت ہوں
دے تسلی مجھے راہ نما کی طرح
مجھے سچ کی راہ دکھائے ، قربِ اللہ کا دلوائے
دوست میری ہے خضر راہ نما کی طرح

بقیہ: بھولا ہوا سبق

اس کا آزاد ہونا سارے گھر والوں کے لیے خوشی کا سبب بنا، مگر اُس کے دل پر بوجھ رہا کہ اس کی کوتاہی نے معاملے کو طول دیا۔ وہ ساجد سے نظریں نہیں ملا پا رہا تھا۔ خود آگے بڑھ کر ساجد نے ہی اسے حوصلہ دیا اور کہا کہ یہ واقعہ تمھیں بہت کچھ سکھا گیا ہوگا۔
اس نے ''ہاں'' کہا اور دِل میں عہد کیا کہ اب وہ اپنے معمولات اور چیزوں میں ترتیب ضرور لائے گا۔ اسے بھولا ہوا سبق اب اچھی طرح یاد ہو گیا تھا۔

"مجھے بہت بوریت ہو رہی ہے، بس ہر وقت پڑھائی پڑھائی۔ کبھی تو کچھ الگ بھی ہونا چاہیے۔" حمنہ نے کتاب کھولتے ہوئے منہ بنا کر کہا۔

"یہی تو مقصد ہے زندگی کا، صبح اسکول، دن میں مدرسہ، شام کو ٹیوشن اور رات کو سونا۔" فضہ اس سے زیادہ بے زار نظر آ رہی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہو! اب باقی لوگوں کو دیکھو، کبھی کوئی پروگرام، کبھی دعوت، کبھی شادی تو کبھی سیر و تفریح۔ ایک ہم ہیں جو ہر وقت پڑھتے ہی رہتے ہیں۔" حمنہ دکھ بھرے لہجے میں بولتی گئی۔

وہ دونوں اس وقت اسکول کے کتب خانے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"میرے پاس ایک خیال ہے، بوریت دور کرنے کا۔" فضہ نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

"یقیناً کہانیوں کی نئی کتاب خریدنے کا خیال ہی آیا ہوگا۔" حمنہ نے عدم دل چسپی کا اظہار کرتے ہوئے اس کا خیال سنے بغیر ہی رد کر دیا۔

"ارے سنو تو سہی۔" فضہ اس کے کان میں کھسر پھسر کرنے لگی۔

اس کا خیال سنتے ہوئے حمنہ کے چہرے پر چمک سی آتی جا رہی تھی۔

حمنہ اور فضہ، دونوں بہنیں تھیں، اس لیے اسکول، مدرسے اور ٹیوشن اکٹھے جاتی تھیں۔ وہ دونوں بہت محنتی تھیں، پڑھائی کی بے حد شوقین، لیکن مسلسل پڑھتے رہنے سے کبھی کبھی اکتا بھی جاتی تھیں۔

ان کے گھر ٹی۔ وی بھی نہیں تھا، کیوں کہ ان کے والدین نے بتایا تھا کہ ٹی۔ وی دیکھنا اچھی بات نہیں اور موبائل بھی بچے استعمال نہیں کرتے، البتہ ابو جان ان کے لیے ڈھیر سارے رسالے اور مزے مزے کی کہانیوں کی کتابیں لایا کرتے تھے۔

ان کے دادا دادی بھی ساتھ ہی رہتے تھے۔ روزانہ رات کو دادی جان انھیں کہانی سناتی تھیں، جب کہ دادا ابو اُن دونوں سے کہانیاں سنا کرتے تھے، کیوں کہ وہ خود نظر کم زور ہونے کی وجہ سے کتابیں نہیں پڑھ سکتے تھے۔

آج امی نے شامی کباب اور بریانی بنائی تھی۔ رات کو دسترخوان پر سب اکھٹے کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ دن بھر کی باتیں کیا کرتے تھے، لیکن خلافِ معمول آج وہ دونوں خاموش تھیں۔

"کیا ہوا؟ آج ہماری دونوں پریاں اتنی چپ چپ کیوں ہیں؟ سب خیریت ہے؟" ابو جان نے ان کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہاں بھئی، آج تو اِسکول سے آنے کے بعد سے ہی دونوں خاموش ہیں۔ ہم نے بھی بارہا پوچھا، لیکن جواب ندارد۔" دادا ابو نے لقمہ لیتے

نیا انداز

روبینہ عبدالقدیر۔ کراچی

ہوئے کہا۔
حمنہ اور فضہ نے سب کے چہروں کی جانب دیکھا۔ امی جان، دادی جان، ابو، دادا ابو، سب ان کی جانب ہی متوجہ تھے۔
''وہ......ہم بہت اداس ہیں۔'' آخر فضہ نے ہمت کرتے ہوئے کہا۔
''اداااس؟ مگر کیوں؟'' سب نے پریشانی سے ایک ساتھ پوچھا۔
''دراصل ہم دونوں ہر وقت پڑھائی کرتے کرتے اب بوریت محسوس کر رہی ہیں۔ ہماری ہم جماعت سب سہیلیاں پڑھائی کے علاوہ کھیل، ٹی۔ وی، پکنک اور پارٹیاں وغیرہ کرتی ہیں، لیکن ہم نے کبھی کچھ نہیں کیا۔'' حمنہ نے سر جھکاتے ہوئے تفصیل بتائی۔
''اوہ، تو آپ دونوں کیا کرنا چاہتی ہیں؟'' امی جان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
''امی جان! نیا سال شروع ہونے والا ہے، ہم نئے سال کی خوشی میں ''تقریب'' کرنا چاہتی ہیں۔'' فضہ نے اپنا مطالبہ پیش کیا۔
''دیکھو بیٹا! نیا سال تو اَنگریزوں......''
''کیوں نہیں، آپ ضرور کریں تقریب!'' ابو جان کچھ کہہ ہی رہے تھے کہ دادا اَبو نے ان کی بات کاٹ کر دونوں کو اجازت دے دی۔
''سچ؟'' دونوں خوشی سے چلائیں۔
''مچ!'' دادا ابو نے مسکرا کر کہا۔
اجازت ملتے ہی دونوں کے چہروں کی رونق بحال ہو گئی۔
......☆......
اگلے دن چھٹی تھی، وہ دونوں صبح ناشتے کے بعد سے ہی تقریب کے متعلق منصوبے بنانے لگیں۔
''تم اپنی چار سہیلیوں کو بلانا اور چار کو میں بلاؤں گی۔'' فضہ ڈائری اٹھائے اس میں لکھتی کرتی جا رہی تھی۔
''غبارے وغیرہ تمھاری طرف سے اور ہر مہمان کے لیے تحفہ میری طرف سے۔'' حمنہ نے دوسرا نکتہ لکھوایا۔
''اور کھانے میں کیا کیا ہوگا؟'' فضہ نے پوچھا۔
''کیک ہم دونوں پیسے ملا کر منگوا لیں گے اور بریانی امی جان سے بنوا لیں گے، ابو سے مٹھائی اور دادا ابو سے چاکلیٹ منگوائیں گے۔'' حمنہ نے سب سوچا ہوا تھا۔
''اور دادی جان سے؟'' فضہ نے دادی جان کو بھی شامل کرنا چاہا۔
''دادی جان سب مہمانوں کو کہانی سنائیں گی۔''
یوں تقریب کی منصوبہ بندی مکمل ہو گئی۔
رات کھانے پر جب دونوں نے اجازت لینے کے بعد اپنی تقریب کی منصوبہ بندی بیان کی تو سب خاموش رہے۔
''کیا ہوا ابو جان!؟ کیا ہماری منصوبہ بندی آپ کو پسند نہیں آئی؟'' حمنہ نے پریشانی سے پوچھا۔
''منصوبہ بندی تو بہت زبردست ہے بیٹا! لیکن، ایک مسئلہ ہے۔'' ابو جان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔
''وہ کیا ابو جان؟'' دونوں بیک وقت بولیں۔
''تقریب میں سب کچھ ہے، لیکن گانے، موسیقی، رقص وغیرہ کچھ بھی نہیں شامل کیا آپ نے؟'' ابو جان کی بات سن کر سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
''یہ کیا بول رہے ہو برخوردار!؟'' دادا جان غصے سے بول اٹھے۔
''کیوں ابا جان! کیا یہ سب کرنا غلط ہے؟'' ابو جان نے مسکرا کر پوچھا۔ ان کے چہرے کے تاثرات خاصے پُراسرار تھے۔
''صرف غلط نہیں، بہت غلط ہے، گناہ ہے یہ، ناجائز اور حرام کام ہیں یہ سب۔'' دادا جان نے سختی سے کہا۔
''تو نئے سال کی خوشی میں تقریب کرنا کون سا ثواب کا کام ہے بھئی؟'' ابو جان نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''دیکھیں، تقریب کرنا ہر گز غلط نہیں، لیکن نئے سال کی خوشی میں تقریب کرنا غیر مسلموں کی مشابہت ہے۔'' ابو جان نے بات مکمل کی، لیکن حمنہ اور فضہ کے چہرے اداسی میں ڈھل گئے۔
''بات تو ٹھیک ہے آپ کی!'' امی جان نے بھی ان کی تائید کی۔
''لیکن اگر کوئی تقریب کرنی ہی ہے تو نئے انداز کی کریں۔''

ابوجان نے ان کے اداس چہروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نئے انداز سے، لیکن کیسے؟"

"نئے سال کے شکرانے کے طور پر آپ سال نو کے پہلے دن خصوصی عبادت سے دن کا آغاز کریں، اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کریں کہ اس نے زندگی کا نیا سال عطا کیا، پورے سال میں کرنے والے اچھے اچھے نیکی کے کاموں کی فہرست بنائیں، گزشتہ سال کے ادھورے کام مکمل کرنے کی نیت کریں اور تقریب کے پیسوں سے کسی غریب کی مدد کر کے کسی کے لیے نئے سال کو واقعی نیا بنائیں۔" ابوجان کی بات سن کر سب کے چہروں پر رونق لوٹ آئی۔

سال نو کے پہلے دن پکی آبادی سے زرا ہٹ کر کچے علاقے میں بنے ایک ٹوٹے پھوٹے، کچی چھتوں، ٹوٹے فرش اور بہتے نالے والے مکان کے باہر مستری مزدور دَادا جان کی نگرانی میں کام کرنے میں مصروف تھے۔ اس ٹوٹے پھوٹے مکان میں رہنے والے چھ بچوں اور اُن کی بیوہ ماں کے لیے سال نو واقعی کچھ "نیا" لایا تھا۔

فضہ، حمنہ اور اُن کی سہیلیوں کی مدد سے اتنی رقم جمع ہو گئی تھی کہ کسی کے گھر کی تعمیر کروائی جاسکے۔ باقی کام ابوجان نے اپنی طرف سے کروانے کا فیصلہ کیا تھا۔

نئے سال کے پہلے دن کسی کی اس انداز میں نئے طریقے سے مدد کر کے جو سکون اور خوشی ملی تھی وہ شاید تقریب کر کے کبھی بھی نہیں مل سکتی تھی۔

☆

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

ایک بچہ/بچی کو حفظ کروائیں

"قرآنِ کریم کے نور کو پھیلانے میں ساتھ دیں"

ایک بچہ/بچی کو میٹرک کروائیں

کوئی بچہ/بچی تعلیم سے محروم نہ رہے

اپنے بچے کی تعلیم وتربیت کے ساتھ دوسرے بچوں کی بھی فکر کیجیے۔
قوموں کے عروج وزوال میں ہمیشہ تعلیم وتربیت کا اہم کردار رہا ہے، جو قومیں علم وہنر کو اپناتی ہیں وہ ترقی کرتی ہیں۔
آیئے جہالت کو ختم کرنے اور معاشرہ سنوارنے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔
اللہ کی دی ہوئی توفیق سے کوشش کریں کہ ایک غریب والد کے بچے/بچی کو حافظ، عالم بنائیں یا میٹرک کروائیں۔
جب ہم اس دنیا سے چلے جائیں گے تو یہ ہمارے لیے صدقہ جاریہ ہوگا۔

حفظ

☐ ماہانہ ہدیہ = 4,700 ☐ پورے سال کا کل ہدیہ = 56,400

☐ ایک حصہ = 14,100 (اگر آپ سال کی مکمل رقم نہیں دے سکتے تو ایک حصہ میں بھی تعاون فرما سکتے ہیں۔)

درسِ نظامی (عالم)

☐ ماہانہ ہدیہ = 4,500 ☐ پورے سال کا کل ہدیہ = 54,000

☐ ایک حصہ = 13,500 (اگر آپ سال کی مکمل رقم نہیں دے سکتے تو ایک حصہ میں بھی تعاون فرما سکتے ہیں۔)

اسکول

☐ ماہانہ ٹیوشن فیس = 5,100 ☐ پورے سال کی کل ٹیوشن فیس = 61,200

☐ ایک حصہ = 15,300 (اگر آپ سال کی مکمل رقم نہیں دے سکتے تو ایک حصہ میں بھی تعاون فرما سکتے ہیں۔)

تعاون کی مد میں آپ کی طرف سے عطیہ، زکوٰۃ اور نفلی صدقہ بھی وصول کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مال کو قبول فرمائے اور برکت عطا فرمائے۔ آمین

وضاحت: بسا اوقات ایک طالبِ علم کے والد/سرپرست مکمل خرچہ نہیں دے سکتے تو آپ کا دیا ہوا ایک اسپانسر 2 یا 3 بچوں کا بھی سہارا بن سکتا ہے۔
حسابات ٹھیک رہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ رسید ضرور حاصل کریں۔ رابطہ نمبر ہیڈ آفس: 0323-8007019, 0323-8007027

بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات

برائے مدرسہ

عطیات کے لیے:
Bait-ul-Ilm Trust (Donation)
0179-0101662095
Meezan Bank (Soldier Bazar)

زکوٰۃ کے لیے:
Bait-ul-Ilm Trust (Zakat)
0179-0101662094
Meezan Bank (Soldier Bazar)

برائے اسکول/مدرسہ

عطیات کے لیے:
Al-Badar Al Barakah School
01790103197698
Meezan Bank (Soldier Bazar)

زکوٰۃ کے لیے:
Bait-ul-Ilm Educational Welfare Society
01790106776645
Meezan Bank (Soldier Bazar)

کوپن برائے

بلاعنوان ۱۸۵

نام: ______________ ولدیت: ______________

مکمل پتا: ______________

فون نمبر: ______________

کوپن برائے

ذوق معلومات ۸۴

نام: ______________ ولدیت: ______________

مکمل پتا: ______________

فون نمبر: ______________

سوال آدھا جواب آدھا ۴۰

نام: ______________ ولدیت: ______________

مکمل پتا: ______________

فون نمبر: ______________

انعامی سرورق جنوری ۲۰۲۳

نام: ______________ ولدیت: ______________

مکمل پتا: ______________

فون نمبر: ______________

ہدایات: جوابات ۳۱، جنوری ۲۰۲۳ء تک ہمیں موصول ہوجانے چاہییں ...... ☆ ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔